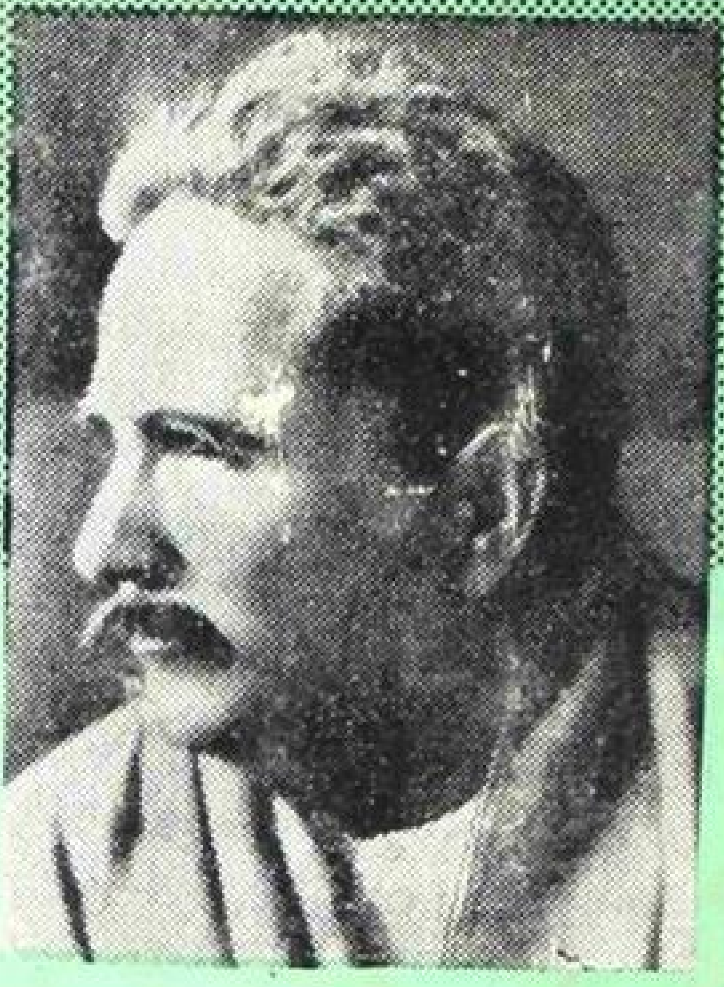

ترجمانِ اسرارِ خودی

پروفیسر غلام دستگیر شہاب

ترجمانِ

اسرارِ خودی

تفہیمی ترجمہ

پروفیسر غلام دستگیر شہاب
سابق صدرِ شعبۂ اُردو و فارسی پُونہ یونیورسٹی

© جملہ حقوق بحقِ مہرالنساء شہاب محفوظ

نامِ کتاب : ترجمانِ اسرارِ خودی
اشاعت : ستمبر ۱۹۸۹ء
تعداد : ایک ہزار
کتابت : اکبر مرزا آرٹسٹ، مالیگاؤں
طباعت : مہاراشٹر آفسیٹ پریس، پونہ
ناشر : ظفر اقبال، ۲/۲ ثنا نگر یلیا اپارٹمنٹ
بنڈ گارڈن روڈ، پونہ ۱
قیمت : چالیس روپے

ملنے کے پتے :
- سلیقہ کتاب گھر ۱۵۶۰/۱۶ جان محمد اسٹریٹ، پونہ - ۴۱۱۰۰۱۔
- سویرا بک ڈپو محمد علی روڈ، مالیگاؤں - ۴۲۳۲۰۳۔

اس کتاب کی اشاعت میں مہاراشٹر اسٹیٹ اردو اکادمی کا جزوی مالی تعاون شامل ہے۔

انتساب

★ پدر بزرگوار شہاب الدین (مرحوم) ایولہ

☆ حضرت محمد علی خان صاحب (مرحوم) ایولہ

★ خان بہادر عبدالقادر سرفراز (مرحوم) پونہ

کے نام

جن کی سرپرستی اور نگرانی میں
میں نے تعلیم و تربیت پائی

سید دستگیر شہاب

شیخ غلام دستگیر شہاب

پیدائش: ۱۹۱۵ء ویجاپور، ضلع اورنگ آباد۔

تعلیم: مدرسۂ عثمانیہ ایولہ ضلع ناسک، اینگلو اردو ہائی اسکول، پونہ، واڈیا کالج، پونہ۔

خدمات: مدرس گرورڈ ہائی اسکول دھولیہ۔ واڈیا کالج، پونہ۔
صدر شعبۂ اردو، فارسی پونہ یونیورسٹی۔ ریسرچ گائڈ پونہ یونیورسٹی،
چیرمین اردو لسانی کمیٹی، بال بھارتی، پونہ۔

تصانیف: دو شہروں کی کہانی۔ بادۂ خیام (منظوم ترجمہ)
تصور سنگیت کار (ترجمہ)

زیر ترتیب: ترجمانِ رموزِ بیخودی، ترجمانِ لالۂ طور (منظوم ترجمہ)
یک بابی اردو ڈرامے، فکرِ شہاب (غزلیات)، بچوں کی نظمیں۔

پیش لفظ

ڈاکٹر امانت ایم اے۔ پی ایچ ڈی
سابق صدر شعبۂ اردو فارسی واڈیا کالج پونہ

۱۹۸۱ء کا ذکر ہے، اقبال صدی کے سلسلے میں منعقد ہونے والی شہر بھیونڈی کی تقریبات میں شرکت کی غرض سے پونہ سے چند شعراء مدعو کیے گئے تھے۔ میزبانوں میں زیڈ عابد شہابی (مرحوم) بھی تھے اور پروفیسر غلام دستگیر شہاب کی سرکردگی میں ڈاکٹر سریش ناڈکرنی، امان اختر اور دیگر شعراء بھی بھیونڈی تشریف لے گئے تھے۔ عروس البلاد ممبئی سے علی سردار جعفری، کیفی اعظمی، عزیز قیسی اور نظ انصاری وغیرہ اور جموں کشمیر سے جگن ناتھ بھی بلائے گئے تھے۔

اس موقع پر شہاب صاحب نے جو عمر بھر اقبالیات کا درس دیتے رہے پیام مشرق کے باب "لالۂ طور" کی چند رباعیات کا منظوم اردو ترجمہ پیش کیا۔ ترجمہ چونکہ بڑی سلیس، رواں اور با محاورہ اردو میں تھا، سامعین نے تحسین و آفرین کے پھول برسائے اور پنڈال دیر تک تالیوں سے گونجتا رہا۔

جگن ناتھ آزاد جو اقبال کے عاشق اور اقبالیات کے ماہر ہیں پھڑک اٹھے، شہاب صاحب کی کاوشوں کو خوب سراہا اور حوصلہ افزائی فرماتے ہوئے مشورہ دیا کہ پروفیسر صاحب اس سلسلے کو جاری رکھیے اور اسی طرح علامہ اقبال کے فارسی افکار کو اردو داں عوام کے سامنے پیش کیجیے، یہ زبان و ادب اور قوم کی سب سے بڑی خدمت ہوگی۔ خصوصاً ایسے وقت میں جبکہ اسکول اور کالجوں سے فارسی زبان کی تعلیم کا سلسلہ ختم ہوتا جا رہا ہے، ضرورت

اس بات کی ہے کہ ہم شاعرِ مشرق کے فارسی افکار کو اُردو میں نئی پود کے سامنے پیش کریں۔ یہ مئے دو آتشہ نوجوانوں کی تفریحِ طبع کا باعث بھی ہوگی اور انھیں اپنی سیرت و کردار کے سنوارنے کا موقع بھی ملے گا۔ بالفاظِ دیگر قومیت کی تعمیر ہوگی۔

دل کی گہرائی سے نکلی ہوئی اقبالؔ کی ہر بات ہمارے دلوں پر یقیناً گہرا نقش چھوڑ جاتی ہے۔ شہابؔ صاحب کو آزاد کا مشورہ بے حد پسند آیا اور وہ دل و جان سے اِس شغلِ حسیں میں لگ گئے، فرصت کے لمحات نے سونے پر سہاگے کا کام کیا۔ اشہبِ فکر و قلم بڑے جوش و خروش کے ساتھ ترجمے کے میدان میں جولانیاں دکھانے لگا۔ ؎

ما ز تخلیقِ مقاصد زندہ ایم — از شعاعِ آرزو تابندہ ایم

بر گرفتم پردہ از رازِ خودی — وانمودم سِرِّ اعجازِ خودی

بہرِ انساں چشمِ من شب ہا گریست — تا دریدم پردۂ اسرارِ زیست

شاعری زین مثنوی مقصود نیست — بت پرستی بت گری مقصود نیست

شرحِ راز از داستانہا می کنم — غنچہ از زورِ نفس وا می کنم

نغمہ ام از زخمہ بے پرواستم — من نوای شاعرِ فرداستم

یہاں قندِ پارسی کو قندِ مکرّر کے طور پر ہدیۂ ناظرین کیا جا رہا ہے مگر اِس پُر عجز و انکسار دعوے کے ساتھ کہ ؎ — نیست در خشک و تر بیشۂ من کوتاہی

چوبِ ہر نخل کہ منبر نشود، دار کنم (نظیریؔ)

اسرارِ خودی کے آغاز میں درج پیامِ اقبالؔ میں جو دراصل جوانانِ عجم سے خطاب ہے شاعرِ مشرق کہتا ہے ؎ غوطہ ہا زد در ضمیرِ زندگی اندیشہ ام

تا بدست آوردہ ام افکارِ پنہانِ شما

"سِرِّ دلبراں"، "حدیثِ دیگراں" کی صورت میں پیشِ خدمت ہے، ملاحظہ فرمائیے!

"اسرارِ خودی" کے اس ترجمے کی کتابت و طباعت کے لیے بشیر احمد انصاری، امان اختر، اور خوش نویس اکبر مرزا کا شکریہ ضروری ہے، اسی طرح ہم محترمی ڈاکٹر عصمت جاوید کے ممنون و مشکور ہیں جنھوں نے "ترجمانِ اسرارِ خودی" پر اپنے تاثرات پیش کیے ہیں۔

مجھے کہنا ہے خود اپنی زبان میں!

ڈاکٹر عصمت جاوید
(سابق صدر شعبۂ اُردو مراٹھواڑہ یونیورسٹی، اورنگ آباد)

اگر ایسے شاعروں کی فہرست مرتب کی جائے جنھوں نے اُردو کے ساتھ ساتھ فارسی میں بھی گاہے گاہے شاعری کی ہے تو یہ فہرست کافی طویل ہوگی، لیکن اس فہرست میں دو ایسے نام جلی حروف میں نظر آئیں گے جو اگر ایک طرف اُردو کے عظیم شاعر ہیں تو دوسری طرف جن کا فارسی کلام بھی اسی قدر بلند قدر و قیمت کا حامل ہے کہ وہ فارسی ادب کی تاریخ میں بھی مستقل اور بلند مقام پانے کا استحقاق رکھتے ہیں۔ یہ اور بات ہے کہ ادبیاتِ ایران کی تاریخ نے ان کے ساتھ اب تک انصاف نہیں کیا ہے اور یہ دو نام آپ کے ذہن میں بھی آگئے ہوں گے؛ یہ ہیں غالبؔ اور اقبالؔ!

یہ دونوں شعرا مختلف سطحوں پر ایک دوسرے سے گہری مماثلت رکھتے ہیں۔ دونوں اُردو شاعری کے دل بھی ہیں اور دماغ بھی۔ شعری و فکری مزاج کی یہ ہم آہنگی مختلف زمانی پس منظر میں مختلف انداز میں اُبھر کر سامنے آئی ہے۔ فارسی دانی کی حد تک ان دونوں شاعروں کا لسانی ماحول بھی بڑی حد تک مختلف تھا۔ غالبؔ کے زمانے میں فارسی

اہلِ اُردو کے لیے ثانوی زبان کی حیثیت رکھتی تھی جو اہلِ علم وفن کے حلقوں میں اگر دن رات بولی نہیں تو لکھی اور پڑھی ضرور جاتی تھی۔ اقبالؔ کے زمانے تک آتے آتے فارسی اپنی دفتری حیثیت کھو چکی تھی؛ پھر بھی جہاں جہاں تعلیم کا قدیم مکتبی طریقہ رائج تھا عربی کے ساتھ ساتھ فارسی کی تعلیم بھی لازمی تھی۔ اگرچہ اقبالؔ کا تعلیمی سفر مکتب سے شروع ہوا لیکن اس کے مراحلِ مابعد اسکول اور کالجوں میں طے پائے، جہاں مشرقی علوم کے مقابلے میں جدید مغربی علوم کو زیادہ اہمیت حاصل تھی اور یہ وقت کا تقاضا بھی تھا۔

جس طرح غالبؔ میں فارسی بالخصوص فارسی باستان کا صحیح ذوق مُلّا عبدالصمد نے پیدا کیا تھا اسی طرح اقبالؔ کے معاملے میں بھی اسے حسنِ اتفاق ہی سمجھیے کہ سیالکوٹ کے اسکاچ مشن اسکول میں انھیں مولوی میر حسن جیسا عربی و فارسی کا جید عالم اور باذوق استاد میسر آیا۔

اگرچہ اقبالؔ نے اپنے طالب علمی کے زمانے میں عربی زبان کے امتحانات بھی درجۂ اول میں کامیاب کیے تھے اور قیامِ یورپ کے دوران ایک ایسا وقت بھی آیا جب اُنھوں نے لندن یونیورسٹی میں پروفیسر آرنلڈ کے زمانۂ رخصت کے دوران قائم مقام پروفیسر کی حیثیت سے چھ ماہ تک عربی بھی پڑھائی، لیکن جہاں تک ذوقِ سخن کا تعلق ہے ان کا میلانِ طبعی عربی کے مقابلے میں فارسی کی طرف زیادہ رہا۔

فارسی زبان وادب کی طرف اقبالؔ اس وقت اور بھی قریب آئے جب انھیں اپنے تحقیقی مقالے Metaphysics of Persia (جس کا اُردو ترجمہ "فلسفۂ عجم" کے نام سے شائع ہو چکا ہے) کے سلسلے میں فارسی کتب اور فارسی شعرا کا مطالعہ زیادہ باریک بینی، توجہ اور انہماک سے کرنا پڑا۔ ۱۹۰۵ء سے ۱۹۰۸ء کا زمانہ جب اقبالؔ یورپ میں بغرضِ تعلیم مقیم تھے، ان کی جذباتی اور فکری زندگی کا ایک ایسا انقلاب پرور دور تھا جس نے ان کے فکر ونظر کے سانچے بدل دیے تھے اور انھوں نے اپنے اندر وہ کھوئی ہوئی جنت دوبارہ حاصل کر لی تھی جو آبائی ورثے کی حیثیت سے ان کے تحت الشعور میں موجود تو تھی لیکن شعور کی سطح پر آنے کے لیے تصادم کی منتظر تھی۔

قیامِ یورپ کے دوران ہی انھیں فارسی میں اپنی استعدادِ شعری کو قوت سے فعل میں

لانے کا خیال آیا، جس کا ذکر شیخ عبدالقادر نے بانگِ درا کے دیباچے میں کیا ہے۔ سفرِ یورپ سے قبل بھی اقبالؔ نے جو نظمیں اُردو میں کہی تھیں، ان میں دو نظمیں 'نالۂ فراق' اور 'بلال' ایسی ہیں جن میں ان کے قلم سے چند فارسی اشعار بھی بے اختیار نکل گئے ہیں، لیکن اس وقت تک انھوں نے فارسی میں شعرگوئی کی طرف سنجیدگی سے توجہ نہیں کی تھی۔

یورپ سے واپسی کے بعد جس نظامِ فکر کو اقبالؔ اپنے ساتھ لائے تھے اسے پیغام کی صورت میں پیش کرنے کے لیے وہ اُردو میں نظمیں تو لکھتے رہے لیکن اُنھوں نے یہ بھی محسوس کیا کہ فارسی کے ذریعے وہ اپنا پیغام عالمِ اسلام کے ایک بڑے حصّے تک پہنچا سکتے ہیں اور موثر انداز میں پہنچا سکتے ہیں، چنانچہ انھوں نے ۱۹۱۳ء سے مثنوی 'اسرارِ خودی' کو لکھنا شروع کیا اور دو سال کے عرصے میں مکمّل کر کے اسے ۱۹۱۵ء میں شائع کروایا اور اس مثنوی کا تتمّہ 'رموزِ بیخودی' کے نام سے ۱۹۱۸ء میں شائع کیا۔ جب کیمبرج یونیورسٹی کے پروفیسر نکلسن نے ۱۹۲۰ء میں 'اسرارِ خودی' کا انگریزی میں ترجمہ شائع کیا تو اقبالؔ کا پیغام یورپ و امریکہ کے علمی حلقوں میں پہنچا، جہاں ایک مفکّر کی حیثیت سے انھیں تسلیم کیا گیا۔

اقبالؔ نے فارسی زبان کو اپنی مادری زبان سے زیادہ شیریں زبان کہا ہے۔ 'اسرارِ خودی' میں لکھتے ہیں:

گرچہ ہندی در عذوبت شکّر است   طرزِ گفتارِ دری شیریں تر است
فکرِ من از جلوہ اش مسحور گشت   خامۂ من شاخِ نخلِ طور گشت

ان اشعار سے ظاہر ہے کہ ہندوستان کا یہ طوطیٔ شکّرخوارہ نہ صرف فارسی شکّریں کا دلدادہ تھا بلکہ اپنے قلم کو شاخِ نخلِ طور بنانے یعنی اسلامی فکریات کے تخلیقی اظہار کے لیے بھی فارسی ہی کو زیادہ موزوں سمجھتا تھا۔ یہ فیصلہ کرنا تو بہت مشکل ہے کہ اگر اقبالؔ "اسرارِ خودی" اور "رموزِ بیخودی" کو اُردو میں لکھتے تو یہ اس پائے کی مثنویاں ہوتیں یا نہ ہوتیں، جس پائے کی وہ فارسی میں ہیں، کیونکہ ان کا اُردو میں لکھا ہوا 'ساقی نامہ' خودی کے شاعرانہ اظہار کا بے مثال نمونہ ہے، لیکن جو بات قطعیت کے ساتھ کہی جاسکتی ہے وہ یہ ہے کہ اقبالؔ نے فلسفۂ خودی کو جس شرح و بسط کے ساتھ فارسی میں بیان کیا ہے، اس وسیع پیمانے پر انھوں نے

اس طرح کا تجربہ اُردو میں نہیں کیا ہے، اس لیے ان کے فلسفۂ خودی کو اپنی کامل ہیئت میں دیکھنے کی خاطر اقبالؔ کے قاری کے لیے ان دونوں مثنویوں کا مطالعہ ناگزیر ہو جاتا ہے۔

مشکل یہ ہے کہ اب ہندوستان میں فارسی زبان و ادب کا مذاق قصۂ پارینہ بن چکا ہے اور اہلِ اُردو بھی اب اس سے دُور ہوتے جا رہے ہیں، اس لیے مستثنیات سے قطعِ نظر اہلِ اُردو پر اقبالؔ کے فارسی کلام کے دروازے بند ہی سمجھیے۔ ان دروازوں کو کھول کر ترجمے کے راستے وہاں تک اہلِ اُردو کو پہنچانے کی ضرورت اب شدید سے شدید تر ہو گئی ہے۔ یہ خدمت پروفیسر یوسف سلیم چشتی اور مولانا غلام رسول مہر نے جس طور پر انجام دی ہے؛ اہلِ اردو ہمیشہ ان کے احسانمند رہیں گے، پھر بھی اس بات کی ضرورت اب بھی باقی تھی کہ اقبالؔ کے فارسی کلام کا اُردو ترجمہ اسی انداز سے ہو کہ وہ نہ تو مترجم کی تفسیر و توضیح کے غبار میں اس طرح گم ہو جائے کہ قاری کو مترجم ہی اقبالؔ کے بھیس میں نظر آئے، اور نہ یہ ترجمہ اس حد تک لفظی ہو کہ قاری کا ذہن ان اشعار کے بین السطوری مفہوم تک پہنچ ہی نہ سکے اور وہ صرف سطح پر تیرتا رہ جائے۔

ایسے جامع و مانع ترجمے کا کام وہی شخص حسن و خوبی سے انجام دے سکتا تھا جو نہ صرف فارسی زبان و ادب کا صحیح ذوق رکھتا ہو بلکہ اس کا معلم بھی رہا ہو۔ مجھے یہ دیکھ کر خوشی ہوئی کہ پروفیسر غلام دستگیر شہابؔ نے اس کام کا بیڑا اٹھایا جو ہر اعتبار سے اس کے اہل ہیں۔ پروفیسر شہاب واڈیا کالج پونہ میں برسوں تک اُردو اور فارسی کے اُستاد رہ کر چند برسوں قبل اس عہدے سے سبکدوش ہوئے ہیں، وہ پونہ یونیورسٹی کے اُردو فارسی کے شعبے کے صدر بھی تھے اور یونیورسٹی بورڈ کے چیئرمن بھی، لیکن وہ اپنے ادبی کاموں سے ہنوز عہدہ بر آ نہیں ہوئے بلکہ قصر علم و ادب کی ہیرا پھیری اب بھی جاری ہے۔

پروفیسر شہابؔ کو میں اپنے زمانۂ طالب علمی سے جانتا ہوں، چونکہ وہ مجھ سے سینئر ہیں اس لیے میرے ہمراز و دمساز تو نہ بن سکے تھے البتہ ہم پیشہ اور ہم مشرب ضرور ہیں۔ وہ اُردو کے کہنہ مشق شاعر اور استاد بھی ہیں۔ مختلف تعلیمی کمیٹیوں میں ہم نے

مل کر کام کیا ہے۔ مجھے انھیں قریب سے دیکھنے اور ان کی صحبتوں سے فیض اُٹھانے کے کئی مواقع میسر آئے ہیں، ان میں ایک حقیقی اسکالر کی تمام خوبیاں اور خامیاں موجود ہیں۔ کم سخن، کم آمیز، مطالعے کے شوقین، نفاست پسند، مرنجان مرنج، دوستوں کے لیے سراپا "تلطف"، دشمنوں کے لیے سراپا "مُدارا"۔ فنونِ لطیفہ کے شیدائی، علمی کاموں کے دیوانے، شہرت گریز، بظاہر دھان پان لیکن علمی کاموں کے لیے بلا کی قوت اپنے اندر رکھنے والے۔ جب میں انھیں دقت و مشقت طلب کام کرتے ہوئے دیکھتا ہوں تو میر کا یہ شعر بے اختیار یاد آتا ہے (اگرچہ میر نے یہ شعر وسیع تر سیاق و سباق میں کہا ہے):

سب پہ جس بار نے گرانی کی
اس کو یہ ناتواں اُٹھا لایا

چند برس قبل ۱۹۸۲ء میں انھوں نے عمر خیام کی رباعیوں کا منظوم ترجمہ "بادۂ خیام" کے نام سے شائع کر کے ایک منظوم ترجمہ نگار کی حیثیت سے اپنی بہترین صلاحیتوں کا ثبوت فراہم کیا ہے۔ انھوں نے اسرارِ خودی اور رموزِ بیخودی کا اُردو ترجمہ بھی کیا ہے اور "پیام مشرق" میں "لالۂ طور" کے زیرِ عنوان جو قطعہ نما ۱۶۳ رباعیات ہیں، ان کا منظوم اُردو ترجمہ بھی کر چکے ہیں۔ راقم الحروف نے ان کا انگریزی میں منظوم ترجمہ کیا ہے۔ ترجمانِ اسرارِ خودی کا پہلا ایڈیشن آپ کے ہاتھوں میں ہے۔ "ترجمانِ رموزِ بیخودی" اور "لالۂ طور" کی سہ آتشہ رباعیات کی اشاعت زیرِ غور ہے۔

میرے خیال میں پروفیسر شہاب نے یہ بہت اچھا کیا جو اسرارِ خودی اور رموزِ بیخودی دونوں کو اُردو نظم کا لباس پہنانے کے بجائے ان کے نثری ترجمے کو ترجیح دی۔ چونکہ اس ترجمے کا مقصد اقبال کے تصورِ خودی کے دقیق فلسفیانہ پہلوؤں اور ان کے عمرانی مضمرات کو جیسے کہ وہ فارسی میں بیان ہوئے ہیں، ان سے اہلِ اُردو کو انھیں کی مادری زبان میں روشناس کرانا ہے اس لیے یہ مقصد منظوم ترجمے کے ذریعے کما حقہٗ اور بطریقِ احسن حاصل نہیں ہو سکتا۔

وہ حضرات جنھیں فارسی کی شد بد ہے اگر شہاب صاحب کا ترجمہ پڑھنے کے فوراً بعد

ان اشعار کی بازخوانی بھی کریں جن کا ترجمہ اُنھوں نے ابھی ابھی پڑھا ہے تو مجھے یقین ہے وہ نہ صرف ایک انوکھے جمالیاتی تجربے سے گزریں گے بلکہ وہ خود یہ بھی اندازہ لگا سکیں گے کہ اقبال فارسی کے بھی کس قدو قامت کے شاعر ہیں۔

مجھے اُمید ہے کہ "اسرارِ خودی" کا یہ جامع و مانع نثری ترجمہ جو مناسب حواشی سے جن میں قرآنی آیات کے حوالے اور اُردو میں اقبال کے ہم مضمون اشعار شامل ہیں مزین ہے اور قوسین میں مختصر مگر جامع تشریح و توضیح کے ذریعے جس کی معنویت میں اضافہ کیا گیا ہے نہ صرف اقبالیات میں ایک بے بہا اضافہ سمجھا جائے گا بلکہ فارسی زبان سے ناواقف اہلِ اُردو کے لیے ایک نایاب تحفہ ہوگا۔

عصمت جاوید

اورنگ آباد

اُردو داں طبقے کو اقبال کے فارسی کلام سے
روشناس کرانا پروفیسر غلام دستگیر رشید کا مشن
تھا۔ ان کی خواہش تھی کہ اقبال کے تمام فارسی
شہ پاروں کو اُردو میں منتقل کریں۔

افسوس! عمر نے وفا نہ کی۔ ابھی ترجمانِ اسرارِ خودی
تکمیل کے مراحل میں تھی کہ موصوف ۱۶ ستمبر ۶۸۹
کو اس دارِ فانی سے کوچ کر گئے۔

اِنّا للّٰہ و اِنّا اِلیہ راجعون ۰

ناشر

هُوَالله

دی شیخ با چراغ ہمی گشت گردِ شہر
کز دام و دد ملولم و انسانم آرزوست
زین ہمرہانِ سست عناصر دلم گرفت
شیرِ خدا و رستمِ دستانم آرزوست
گفتم کہ یافت می نہ شود جستہ ایم ما
گفت آنکہ یافت می نہ شود آنم آرزوست

(مولانا جلال الدّین رومیؒ)

هو اللہ

علامہ اقبال نے اپنے روحانی استاد مولانا جلال الدین رومیؒ کی ایک مشہور غزل کے تین اشعار کو اپنے کلام کا عنوان بنایا ہے، جو اقبال کی اسرارِ خودی کے بنیادی نظریے کی نشاندہی کرتے ہیں۔

مولانا روم فرماتے ہیں:

★ کل ایک شیخ چراغ لیے شہر میں گشت لگا رہا تھا اور کہہ رہا تھا کہ میں چوپایوں اور وحشیوں (جیسے لوگوں) سے بیزار ہو چکا ہوں؛ مجھے انسان کی تلاش ہے۔

★ ان سست مزاج اور کور دل ہمراہیوں کی وجہ سے میں مضمحل اور دل گرفتہ ہوں، مجھے شیرِ خدا اور رستمِ دستاں جیسے انسانوں کی تلاش ہے۔

★ اس مردِ بزرگ کے اس خیال پر میں نے کہا کہ ہم نے اسے ڈھونڈا ہے، لیکن وہ کہیں نہیں ملتا، ہم تو سمجھتے ہیں کہ وہ ناممکن الحصول ہے۔ اس پر شیخ نے کہا کہ جو نہیں مل سکتا اور جو تمھاری دانست میں ناممکن الحصول ہے، مجھے اسی کی تلاش ہے۔

(اسرارِ خودی کا مقصد بھی یہی ہے کہ معاشرے میں ایسے انسان پیدا ہوں جو شیرِ خدا اور رستمِ دستاں کے مانند اعلیٰ صفات کے حامل ہوں)۔

بسمِ اللہ الرحمٰن الرحیم

اسرارِ خودی

تمہید

نیست در خشک و ترِ بیشۂ من کوتاہی
چوبِ ہر نخل کہ "منبر" نشود دار کنم (نظیریؒ نیشاپوری)

راہِ شب چوں مہرِ عالمتاب زد   گریۂ من بر رُخِ گُل آب زد
اشکِ من از چشمِ نرگس خواب شُست   سبزہ از ہنگامہ ام بیدار رُست
باغباں زورِ کلامم آزمود   مصرعے کارید و شمشیرے درود
در چمن جز دانۂ اشکم نکِشت   تارِ افغانم بپودِ باغ رِشت

نظیری نیشاپوری اکبری دور کا شاعر تھا اور خانخاناں کے دربار سے منسلک تھا۔ نظیری کو مغل عہد کا رئیس المتغزلین کہا جاتا ہے۔ وہ فارسی کے غنائی شاعروں میں خاص جگہ رکھتا ہے۔ ۱۰۲۰ ہجری میں احمد آباد میں وفات پائی اور وہیں مدفون ہوا۔ چند اشعار

گریزد از صفِ ما ہر کہ مردِ غوغا نیست   کسے کہ کشتہ نشد از قبیلۂ ما نیست
ز پائے تا بسرش ہر کجا کہ می نگرم   کرشمہ دامنِ دل می کشد کہ جا اینجاست

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

اسرارِ خودی

تمہید

تمہید کا آغاز نظیری نیشا پوری کے ایک شعر سے ہوتا ہے ۔ نظیری کہتا ہے کہ :
میرے جنگل کے خشک وتر درختوں میں کسی قسم کی کوتاہی نہیں، کوئی درخت بیکار نہیں ہے ۔ جب کسی درخت کی لکڑی سے منبر نہیں بن سکتا تو میں اس سے دار بنالیتا ہوں ۔
(اعلانِ حق اگر منبر پر نہیں تو دار پر کرتا ہوں[۱])

تمہید ۹۴ اشعار پر مشتمل ہے ۔ اقبال فرماتے ہیں :

★ جب مہرِ عالم تاب نے شب پر یلغار کی تو میری اشکباری نے گلوں کے چہروں پر شبنم چھڑکی اور انھیں آب ورنگ عطا کیا[۲]۔

★ میرے اشکوں نے نرگس کی آنکھوں سے نیند کو دھو ڈالا اور میرے (نغموں کے) ہنگاموں نے سبزۂ خوابیدہ کو بیدار کیا ۔

★ فطرت کے باغباں (روح عصر یا زمانہ) نے میرے زورِ کلام کی آزمائش کی میرے ایک ایک شعر کو بویا اور اس سے شمشیر کی فصل کاٹی ۔ (گویا ایک ایک مصرع تیغِ جوہر دار تھا ۔)

★ اس نے باغ میں میرے آنسو بوئے اور میرے نالوں کے تار سے سارے گلستاں کا تانابانا تیار کیا ۔ (اقبال کے اِنقلاب آفریں نغموں سے سارے چمن میں بیداری کی لہر دوڑ گئی)

۱؎ آں راز کہ در سینہ نہاں است نہ وعظ است بر دار تواں گفت بہ منبر نہ تواں گفت (غالب)
گفتارِ صدق مایۂ آزار می شود چوں حرفِ حق بلند شود دار می شود (صائب)

۲؎ اقبال فرماتے ہیں کہ جب مشرقی قوموں کی سیہ بختی کا دور ختم ہوا اور بیداری کی صبح نمودار ہونے کا وقت آیا تو میرے کلام نے اہلِ چمن کے مُردہ دلوں میں زندگی اور انقلاب کی روح پھونک دی ۔

ہزاروں سال نرگس اپنی بے نوری پہ روتی ہے بڑی مشکل سے ہوتا ہے چمن میں دیدہ ور پیدا

ذرّہ ام مہرِ منیر آنِ من است | صد سحر اندر گریبانِ من است
خاکِ من روشن تر از جامِ جم است | محرم از نازادہائے عالم است
فکرم آں آہو سر فتراک بست | کو ہنوز از نیستی بیروں نجست
سبزہ نارو ئیدہ زیبِ گلشنم | گل بشاخ اندر نہاں در دامنم
محفلِ رامش گری برہم زدم | زخمہ بر تارِ رگِ عالم زدم
بسکہ عودِ فطرتم نادر نواست | ہم نشیں از نغمہ ام ناآشناست
در جہاں خورشیدِ نوزائیدہ ام | رسم و آئینِ فلک نادیدہ ام
رم ندیدہ انجم از تابم ہنوز | ہست ناآشفتہ سیمابم ہنوز
بحر از رقصِ ضیایم بے نصیب | کوہ از رنگِ حنایم بے نصیب

اقبال شاعری کو محض تفریح طبع کا مشغلہ نہیں سمجھتے ہیں۔ ان کی شاعری کا مقصود محض شاعری نہیں بلکہ آدم گری اور حیات افروزی ہے۔

گر ہنر میں نہیں تعمیرِ خودی کا جوہر
وائے صورت گری و شاعری و نئے و سرود ☆

★ اگرچہ میں ایک ذرّہ ہوں مگر مہرِ منوّر بھی میری ملکیت میں داخل ہے اور اس لحاظ سے میرے گریبان میں صدہا صبحیں پوشیدہ ہیں۔

★ میری خاک جامِ جمشید سے بھی زیادہ روشن ہے اور وہ اس عالم کے واقعات وحالات سے باخبر ہے جو مستقبل کے پردوں میں نہاں ہیں۔

★ میری فکر کی فتراک میں ایسے آہو بند ہوتے ہیں جنھوں نے اب تک عدم سے وجود میں چھلانگیں نہیں لگائیں۔

★ میرے گلشنِ فکر میں وہ سبزہ لہک رہا ہے جو ابھی اُگا نہیں اور میرے دامن میں وہ پھول (مہک رہے) ہیں جو ابھی تک شاخِ گل سے نہیں پھوٹے۔

★ میں نے روایتی اور رومانی شاعروں کے عیش ونشاط اور رامش ورنگ کی محفل کو درہم برہم کردیا ہے اور اپنی مضراب سے (ساز کے تاروں کی بجائے) رگِ کائنات کو چھیڑا ہے[ا]۔

★ لیکن چونکہ میرے سازِ فطرت کے نغمے اچھوتے اور نادر ہیں اس لیے میرے ہمنشیں ان سے ناآشنا ہیں اور ان کو اجنبی تصور کرتے ہیں۔

★ میں اس دنیا میں ایک نوزائیدہ خورشید کے مانند ہوں اور اس فلکِ پیر کے رسم وآئین سے نابلد ہوں۔

★ میرے سورج کی روشنی دیکھ کر تاروں نے اب تک روپوشی اختیار نہیں کی ہے، (اب تک ماند نہیں پڑے) میرے سیماب میں اب تک اضطرابی کیفیت پیدا نہیں ہوئی۔

★ ہنوز سمندر کی موجیں میری روشنی کے رقص سے ناآشنا ہیں اور پہاڑ میری شفق سے حنا آلود نہیں ہیں۔

☆ بآن رازے کہ گفتم پے نبردند ‏‏ ‏ ز شاخِ نخلِ من خرما نخوردند
من اے میرِامم داد از تو خواہم ‏ ‏ مرا یاران غزلخوانے شمردند

ا یعنی خودی اور انسانیت کے نغمے الاپے ہیں۔

خوگرِ من نیست چشمِ ہست و بُود　　لرزہ بر تن خیزم از بیمِ نمود

بامم از خاور رسید و شب شکست　　شبنمِ نو بر گلِ عالم نشست

انتظارِ صبح خیزاں می کشم　　اے خوشا! زرتشتیانِ آتشم

نغمہ ام از زخمہ بے پرواستم　　من نوائے شاعرِ فرداستم

عصرِ من دانندۂ اسرار نیست　　یوسفِ[1] من بہرِ ایں بازار نیست

نا امیدستم ز یارانِ قدیم　　طورِ من سوزد کہ مے آید کلیم

قلزمِ یاراں چو شبنم بے خروش　　شبنمِ من مثلِ یم طوفاں بدوش

نغمۂ من از جہانِ دیگر است　　ایں جرس را کاروانِ دیگر است

اے بسا شاعر کہ بعد از مرگ زاد　　چشمِ خود بر بست و چشمِ ما کشاد

ل یوسف علیہ السلام کے فروخت کیے جانے کا واقعہ، سورۂ یوسف آیت ۲۰ (۲۰ - ۱۱) میں اس طرح آیا ہے۔ وَشَرَوْهُ بِثَمَنٍ بَخْسٍ دَرَاهِمَ مَعْدُودَةٍ
اور قافلہ والوں نے اس کو (یعنی یوسف علیہ السلام کو) تھوڑی سی قیمت یعنی معدودے چند درہموں میں بیچ ڈالا۔

★ الغرض کائنات کی آنکھیں مجھ سے مانوس نہیں ہیں، لہٰذا مجھے اپنی نمو پر خوف و ہراس محسوس ہوتا ہے اور میرا جسم کانپ کانپ اٹھتا ہے۔

★ بہرحال میری صبح مشرق سے نمودار ہوئی۔ شب کا طلسم ٹوٹا اور باغِ عالم کے پھول پر شبنم دمکنے لگی۔

★ اب میں صبح جلد بیدار ہونے والوں کا انتظار کر رہا ہوں۔ خوش نصیب ہیں وہ لوگ جو میری روشن آگ (میرے کلام) کے آتش پرستوں کی طرح شیدائی ہیں۔

★ میں وہ نغمہ ہوں جس کے تاروں کو مضراب نے ابھی نہیں چھیڑا ہے۔ میں شاعرِ فردا ہوں۔ گویا میری نوا کل آنے والے شاعر کی نوا ہے۔ جس سے آج کے لوگ نا آشنا ہیں۔

★ عصرِ حاضر میرے افکار و اسرار کو سمجھنے سے قاصر ہے۔ لہٰذا میرا یوسف (یعنی میری متاعِ سخن) دورِ حاضر کے بازار کے لیے نہیں ہے۔

★ میں اپنے یارانِ قدیم سے نا اُمید ہو گیا ہوں۔ میرا طور جل رہا ہے اور اس انتظار میں تڑپ رہا ہے کہ (کلیم کی طرح) کوئی آگ کا متلاشی اس طرف آ نکلے[۱]۔

★ یاروں کے دل کے سمندر شبنم کی طرح ساکن اور خاموش ہیں اور میرا ایک ایک اشک (شبنم) سمندر کی طرح طوفاں بدوش ہے۔ (میرے دل میں جذبات کا طوفان موجزن ہے)

★ ایسا محسوس ہوتا ہے کہ میرا نغمہ کسی اور جہان کے لیے ہے اور میری بانگِ درا کسی اور ہی کارواں کے لیے ہے۔

★ افسوس! اس دنیا میں ایسے شاعر بھی ہوئے ہیں جو اپنی وفات کے بعد پیدا ہوئے۔ گمنامی میں رہے۔ مرنے کے بعد انھیں شہرت ملی۔ انھوں نے اپنی آنکھیں بند کیں اور ہماری آنکھیں کھول دیں۔

---

۱ فَلَمَّا قَضَىٰ مُوسَى الْأَجَلَ وَسَارَ بِأَهْلِهِ آنَسَ مِن جَانِبِ الطُّورِ نَارًا قَالَ لِأَهْلِهِ امْكُثُوا إِنِّي آنَسْتُ نَارًا لَّعَلِّي آتِيكُم مِّنْهَا بِخَبَرٍ أَوْ جَذْوَةٍ مِّنَ النَّارِ لَعَلَّكُمْ تَصْطَلُونَ ۝ (۲۹۔ سورۃ القصص)

☆☆

رخت باز از نیستی بیروں کشید   چوں گُل از خاکِ مزارِ خود دمید

کارواں ہا گرچہ زیں صحرا گذشت   مثلِ گامِ ناقہ کم غوغا گذشت

عاشقم فریاد ایمانِ من است   شورِ حشر از پیش خیزانِ من است

نغمہ ام زاندازۂ تار است بیش   من نترسم از شکستِ عودِ خویش

قطرہ از سیلابِ من بیگانہ بہ   قلزم از آشوبِ او دیوانہ بہ

در نمی گنجد بجو عمّانِ من   بحر ہا باید پئے طوفانِ من

غنچہ کز بالیدگی گلشن نشد   در خورِ ابرِ بہارِ من نشد

برقہا خوابیدہ در جانِ من است   کوہ و صحرا بابِ جولانِ من است

پنجہ کن با بحرم ار صحرا ستی   برقِ من در گیر اگر سینا ستی

☆☆ جب موسٰی نے اپنی معیاد پوری کر دی اور اپنی بیوی کو لے کر چلے تو طور کی طرف ایک آگ دیکھی۔ اپنی اہلیہ سے کہا: تم ٹھہرو! مجھے طور کی طرف ایک آگ نظر پڑی ہے۔ شاید میں وہاں سے راستے کا کچھ پتہ لاؤں یا آگ کا انگارہ لے آؤں تاکہ تم تاپو۔

برقِ ایمن مرے سینے میں پڑی روتی ہے   دیکھنے والی ہے جو آنکھ کہاں سوتی ہے

★ اُنھوں نے نیستی سے سامانِ حیات حاصل کیا اور پھولوں کی طرح اپنی خاکِ مزار سے نمودار ہوئے یعنی مرکر امر ہو گئے اور شہرتِ جاوداں کے مالک بن گئے۔

★ اگرچہ اس صحرا (دنیا) سے بہت سے کارواں (شاعروں کے) گزر چکے ہیں اور اونٹوں کی طرح خاموش اور بے خروش گزرے ہیں۔ (ان کے کلام نے کوئی انقلابی ہنگامہ برپا نہیں کیا)

★ لیکن میں عاشق ہوں اور شور و فغاں کرنا میرا ایمان اور میری فطرت ہے۔ لہٰذا میرے جلو میں حشر کا ہنگامہ چلتا ہے۔

★ میرا نغمہ میرے ساز کے تاروں سے زیادہ پُرزور ہے۔ اس لیے ان کے ٹوٹ جانے کا امکان ہے۔ با این ہمہ میں نغمہ سناؤں گا۔ مجھے ساز کے ٹوٹ جانے کا چنداں خوف نہیں۔

★ لہٰذا قطروں سے کہہ دو کہ میرے سیلاب سے دور رہیں اور سمندر کے حق میں یہی بہتر ہے کہ اس شورش کا دیوانہ رہے[1]۔ (قطرے سے مُراد کم ہمت اور سمندر سے مراد اہلِ عزم و ہمت ہے)

★ کیونکہ وہ ایسا سیل بے پناہ ہے جو کسی ندی یا دریا میں سما نہیں سکتا۔ اِس طوفاں کے لیے تو بحرِ ذخار ہی موزوں ہے۔

★ میرے ابرِ بہار کے لیے وہ غنچہ موزوں نہیں ہے جس میں جوشِ نمو سے غنچہ سے گُل اور گل سے گلشن بننے کی صلاحیت نہ ہو۔

★ میری رُوح میں بجلیاں پوشیدہ (خوابیدہ) ہیں۔ کوہ و دشت میری جولانگاہوں کے دروازے ہیں۔

★ اگر تو صحرا ہے تو میرے سمندر کے مقابل آ۔ اس سے ہاتھ مِلا اور بغلگیر ہو جا۔ (اسے اپنے اندر جذب کر لے) اگر تو کوہ طور ہے تو میری بجلیوں سے اپنا دامن بھر لے۔

---

[1] جلا کے مشعلِ جاں ہم جنوں صفات چلے
جو گھر کو آگ لگائے ہمارے ساتھ چلے
(مجروح)

چشمۂ حیواں براتم کردہ اند　　محرمِ رازِ حیاتم کردہ اند

ذرّہ از سوزِ نوایم زندہ گشت　　پرَ کشود و کرمکِ تابندہ گشت

ہیچکس رازے کہ من گویم نگفت　　ہمچو فکرِ من دُرِ معنی نہ سُفت

سِرّ عیشِ جاوداں خواہی بیا　　[1] ہم زمیں ہم آسماں خواہی بیا

پیرِ گردوں با من ایں اسرار گفت

از ندیماں راز ہا نتواں نہفت

ساقیا برخیز و مے درجام کن　　محو از دل کاوشِ ایّام کن

شعلۂ آبے کہ اصلش زمزم است　　گر گدا باشد پرستارش جم است

می کند اندیشہ راہشیار تر　　دیدۂ بیدار را بیدار تر

---

[1] اِس شعر کے دوسرے مصرعے میں غالباً:

رَبَّنَا آتِنَا فِی الدُّنْیَا حَسَنَۃً وَّفِی الْآخِرَۃِ حَسَنَۃً وَّقِنَا عَذَابَ النَّارِ ہ

شاعر کے پیشِ نظر ہے۔

★ مجھے آبِ حیات (چشمۂ آبِ حیات) بخشا گیا ہے اور مجھے اسرارِ حیات کا راز داں بنایا گیا ہے۔ مجھ پر اسرارِ حیات منکشف کیے گئے ہیں۔

★ میری آتش نوائی کے اعجاز سے ذرّے میں جان پڑ جاتی ہے۔ اس کے پر نکل آتے ہیں اور وہ جگنو کی طرح کرمکِ تابندہ بن جاتا ہے۔

★ جن اسرار کو میں بے نقاب کر رہا ہوں وہ کسی اور نے بیان نہیں کیے ہیں۔ میری فکر کی طرح کسی اور نے معنی کے موتی نہیں (رولے اور) پروے ہیں۔

★ اگر تو حیاتِ جاوداں (کے عیش) کا راز جاننا چاہتا ہے تو میرے پاس آ۔ اگر تو زمین و آسمان یعنی دونوں جہان چاہتا ہے تو میرے پاس آ۔

★ کیونکہ پیرِ گردوں نے یہ اسرار مجھ پر منکشف کیے ہیں
اور ظاہر ہے کہ عزیز دوستوں سے راز چھپائے نہیں جاتے۔

★ اے ساقی اُٹھ اور میرے جام میں شرابِ ناب انڈیل اور زمانے کے رنج و غم میرے دل سے بھلا دے۔

★ ہاں میرے ساغر میں وہ شعلۂ سیّال انڈیل جس کی اصل زمزم ہے۔ اگر گدا بھی اس کا پرستار ہو تو وہ جمشید کا ہمسر بن جاتا ہے۔

★ یہ وہ شراب ہے جو انسانی فکر کو تیز سے تیز تر اور ہوشیار سے ہوشیار تر بنا دیتی ہے جو بیدار آنکھ کو اور زیادہ بیدار کر دیتی ہے۔

اعتبارِ کوہ بخشد کاہ را　　قوّتِ شیراں دہد روباہ را

خاک را اوجِ ثریّا می دہد　　قطرہ را پہنائے دریا می دہد

خامشی را شورشِ محشر کند　　پائے کبک از خونِ باز احمر کند

خیز و در جامم شرابِ ناب ریز　　بر شبِ اندیشہ ام مہتاب ریز

تا سوئے منزل کشم آوارہ را　　ذوقِ بیتابی دہم نظّارہ را

گرم رَو از جستجوئے نَو شوم　　روشناسِ آرزوئے نو شوم

چشمِ اہلِ ذوق را مردُم شوم　　چوں صدا در گوشِ عالم گُم شوم

قیمتِ جنسِ سخن بالا کنم　　آبِ چشمِ خویش در کالا کنم

باز بر خوانم زفیضِ پیرِ روم　　لے دفترِ سربستہ اسرارِ علوم

لے "فارسی میں جس قدر کتابیں نظم یا نثر میں لکھی ہوئی ہیں کسی میں ایسے دقیق، نازک اور عظیم الشان مسائل اور اسرار نہیں مل سکتے جو مثنوی میں کثرت سے پائے جاتے ہیں۔ فارسی پر موقوف نہیں۔ اس قسم کے نکات اور دقائق کا عربی تصنیفات میں بھی مشکل سے پتہ چلتا ہے، اس لحاظ سے علماء اور ارباب فن نے مثنوی سے متعلق یہاں تک مبالغہ کیا کہ ☆☆

★ یہ تنکے کو پہاڑ کی صلابت اور وقار عطا کرتی ہے اور لومڑی کو شیر کی طاقت اور توانائی بخشتی ہے۔

★ یہ خاک کو آسمان کی رفعت (ثریا کی بلندی) اور قطرے کو سمندر کی وسعت عطا کرتی ہے۔

★ یہ خاموشی کو شورِ حشر میں بدل دیتی ہے اور چکور (پرندہ) میں وہ جرأت پیدا کرتی ہے کہ عقاب کے خون سے اپنے پنجوں کو رنگین کر سکے۔

★ اے ساقی اٹھ! اور میرے جام میں شرابِ ناب انڈیل اور میری فکر کی تاریک رات میں چاندنی بکھیر دے۔

★ تاکہ میں بھٹکے ہوؤں کو راہ دکھلا سکوں اور منزل کی جانب ان کی رہنمائی کر سکوں اور ان کی نگاہوں کو دیدار کا ذوق اور تڑپ عطا کر سکوں۔

★ اور میں خود بھی ایک نئی آرزو سے آشنا ہو جاؤں اور نئی منزل کی تلاش و طلب میں تیزی سے گامزن ہو جاؤں۔

★ ہاں! جامِ ناب دے! کہ میں اہلِ ذوق کی آنکھوں کی پتلی بن جاؤں اور گوشِ عالم میں ایک دلنشیں صدا کی طرح ڈوب جاؤں۔ (یعنی میری آواز ان کے دل میں گھر کر جائے)

★ ہاں! مجھے شرابِ ناب دے! تاکہ میں اپنی اشکباری سے (اپنے خونِ دل سے) اپنے فن کی آبیاری کروں اور متاعِ سخن کی قدر و قیمت کو اونچا کر سکوں۔

★ اور اپنے روحانی پیر (مولانا جلال الدین رومیؒ) کے فیض سے اسرارِ علوم کے سربستہ دفتر کو کھول کر اس کے اسرار بیان کروں۔

☆☆ ؏ ہست قرآں در زبانِ پہلوی تو کچھ تعجب کی بات نہیں۔"

علامہ شبلی نعمانی (مصنفہ ۔ مولانا رومیؒ)

سبق لے انقلابِ نو کا مجھ سے کہ سَو عالم ہیں میری مشتِ گِل میں

اِدھر آ گمرہِ منزل اِدھر آ ذرا گم ہو مرے صحرائے دِل میں (ارمغانِ حجاز) شہاب

Anjuman Taraqqi Urdu Hind

جانِ او از شعلہ ہا سرمایہ دار　　من فروغِ یک نفس مثلِ شرار

شمعِ سوزاں تاخت بر پروانہ ام　　بادہ شبخوں ریخت بر پیمانہ ام

پیرِ رومی خاک را اکسیر کرد　　از غبارم جلوہ ہا تعمیر کرد

ذرّہ از خاکِ بیاباں رخت بست　　تا شعاعِ آفتاب آرد بدست

موجم و در بحرِ او منزل کنم　　تا دُرِ تابندۂ حاصل کنم

من کہ مستی ہا ز صہبایش کنم
زندگانی از نفس ہایش کنم[1]

شب دلِ من مائلِ فریاد بُود　　خامشی از یا ربم آباد بُود!

شکوہ آشوبِ غمِ دوراں بُدم　　از تہی پیمانگی نالاں بُدم

---

[1] حرم کا مثلِ رومی پاسباں میں　　انفس سے عارفِ اسرارِ جاں میں
حکیمِ فتنۂ عصرِ کہن وہ　　کلیمِ فتنۂ عصرِ رواں میں
شہاب

★ پیر رومی کی ذات سراپا شعلہ زارِ عشق تھی اور میری حیثیت اُس چنگاری کے مانند ہے جو پل بھر چمک کے بجھ جائے۔

★ پیر روم نے میرے پروانۂ ہستی پر اپنی (پُرسوز) شمع کی آنچ ڈالی اور ان کی شرابِ ناب نے میرے دِل پر شب خون مارا (اور وہ صہبائے عرفان سے لبریز ہوگیا)۔

★ اس طرح انھوں نے میری خاک کو اکسیر میں اور میری مشتِ غبار کو جلووں میں تبدیل کر دیا ہے۔ ان کے روحانی فیض سے میرا سینہ روشن ہوگیا ہے۔

★ (مجھ جیسے) ذرّے نے بیابان سے رختِ سفر باندھا تاکہ آفتاب کی شعاعوں کو حاصل کر سکے۔

★ میں موج ہوں اور ان کے سمندر میں اس لیے متمکّن ہوں کہ اس کی تہ سے آبدار موتی حاصل کر سکوں۔

★
میں اُن کی شراب سے مست و سرشار رہتا ہوں۔
میں اُن کے انفاس کے طفیل زندہ ہوں۔
(ان کی تعلیمات [مثنوی معنوی] نے میرے فکر و فن کو زندگی بخشی ہے)۔

★ کل شب میرا دِل فریاد سے معمور تھا۔ سارا عالم محوِ خواب تھا۔ صرف میرے لبوں پر یارب یارب کی فریاد تھی، جس سے رات کی خاموشی گونج رہی تھی۔

★ میرا دِل غمِ دوراں کے شکووں سے لبریز تھا اور حیات کی تشنہ کامی اور بے سرو سامانی پر (بارگاہِ ایزدی میں) نالے کر رہا تھا۔

این قدر نظاره ام بیتاب شد　　بال و پر بشکست و آخر خواب شد

روی خود بنمود پیرِ حق سرشت　　کو بحرفِ پہلوی قرآن نوشت[1]

گفت: "ای دیوانهٔ اربابِ عشق　　جُرعهٔ گیر از شرابِ نابِ عشق

بر جگر ہنگامهٔ محشر بزن　　شیشه بر سر، دیده بر نشتر بزن

خنده را سرمایهٔ صد ناله ساز　　اشکِ خونین را جگر پرکاله ساز

تا یکی چون غنچه می باشی خموش　　نکہتِ خود را چو گل ارزان فروش

در گرہ ہنگامه داری چون سپند　　محملِ خود بر سرِ آتش به بند

چون جرس آخر ز ہر جزوِ بدن　　نالهٔ خاموش را بیرون فگن

آتشی استی بزمِ عالم بر فروز　　دیگران را ہم ز سوزِ خود بسوز

---

[1] مثنویِ مولویِ معنوی　　ہست قرآن در زبانِ پہلوی

من چه گویم وصفِ آن عالی جناب　　نیست پیغمبر و لے دارد کتاب

★ میری مضطرب نگاہیں آسمان کی جانب ٹکٹکی لگائے ہوئے تھیں۔ آخر وہ پرِ شکستہ طائر کی طرح تھک کر چُور ہو گئیں اور نیند کی آغوش میں سو گئیں۔

★ میں نے خواب میں دیکھا کہ عارفِ کاملِ پیرِ روم (جو سراپا حق شناس و حق پرست تھے) اور جنھوں نے اپنی فارسی مثنوی میں قرآنی حقائق بیان کیے ہیں، میرے سامنے جلوہ گر ہیں۔

★ اور فرما رہے ہیں کہ اے اہلِ عشق کے دیوانے، اور عارفانِ کامل کے چاہنے والے اُٹھ! اور عشق کی شرابِ ناب کا ایک گھونٹ پی لے؛ (مسلکِ عشق اختیار کر)۔

★ اور اپنے قلب و جگر میں حشر کا ہنگامہ برپا کر، سر میں مستی پیدا کر اور آنکھوں سے خون کے آنسو بہا (سر پہ صراحی مار اور آنکھوں پر نشتر چلا اور ان کو لہولہان کر دے)۔

★ ہنسی کو صدہا نالوں میں بدل دے اور اپنے جگر کے ٹکڑوں کو اشکِ خونیں میں تبدیل کر دے۔

★ تو منہ بند کلی کی طرح کب تک خاموش رہے گا۔ کھلے ہوئے پھولوں کے مانند اپنے کلام کی خوشبو کو ارزاں اور عام کر دے۔

★ سپند کے دانے کی طرح تیری گرہ (دِل) میں بھی ایک ہنگامہ پوشیدہ ہے۔ جس طرح سپند کو آگ میں ڈالنے سے خوشبو پھیل جاتی ہے؛ اسی طرح تو بھی اپنی محمل کو آگ کے حوالے کر۔

★ تجھ میں خاموش نالے پوشیدہ ہیں۔ انھیں بانگِ جرس کی طرح ہر بُنِ مو سے باہر نکال۔

★ اگر تو سراپا آگ ہے تو بزمِ عالم کو فروزاں کر دے اور اپنے سوز سے لوگوں کے دلوں میں عشق کا سوز پیدا کر، اپنے دِل کو عشق کی آگ کے حوالے کر۔ [1]

---

[1] اپنے پُرسوز نغموں سے محفل کو گرما دے۔

سحر در شاخسارِ بوستانے — چہ خوش می گفت مرغِ نغمہ خوانے

بر آور ہر چہ اندر سینہ داری — سرودے نالۂ آہے فغانے

فاش گو اسرارِ پیرِ مے فروش　　موجِ مے شو کسوتِ مینا بپوش

سنگ شو آئینۂ اندیشہ را　　بر سرِ بازار بشکن شیشہ را

از نیستاں ہمچو نے پیغام دہ[1]　　قیس را از قومِ حے پیغام دہ

نالہ را اندازِ نو ایجاد کن　　بزم را از ہائے و ہو آباد کن

خیز و جانِ نو بدہ ہر زندہ را　　از قُمِ خود زندہ ترکن زندہ را

خیز و پا بر جادۂ دیگر بنہ　　جوشِ سودائے کہن از سر بنہ

آشنائے لذتِ گفتار شو　　اے درائے کارواں بیدار شو

زیں سخن آتش بہ پیراہن شدم　　مثلِ نے ہنگامہ آبستن شدم

چوں نوا از تارِ خود برخاستم　　جنّتے از بہرِ گوش آراستم

---

[1] بشنو از نے چوں حکایت می کند　　از جدائی ہا شکایت می کند

کز نیستاں تا مرا ببریدہ اند　　از نفیرم مرد و زن نالیدہ اند

★ اپنے مرشدِ کامل کے اسرار و افکار کو دنیا پر فاش کر دے۔ خود موجِ شراب بن اور خود ہی ساغرِ بلور بن جا۔ (اپنے افکار کو دلکش انداز میں پیش کر)۔

★ اپنے شیشۂ فکر کے لیے خود ہی پتھر بن جا اور اُسے بھرے بازار میں پاش پاش کر ڈال۔ (اپنے افکار کو اپنے سینہ میں مقید نہ رکھ بلکہ انھیں عام کر دے۔)

★ بانسری (نے) کی طرح اپنی قوم کو نیستاں کا پیغام سُنا۔ قیس کو لیلیٰ کے قبیلے کی جانب سے انس و محبت کا پیغام دے، (حسنِ ازلی کے عشق کے پیغام کو عام کر دے)۔

★ اپنے پُرسوز نغموں کے لیے نیا اندازِ بیان پیدا کر۔ اہلِ محفل کے مُردہ دلوں میں نئی روح پھونک اور سونی محفل کو عشق کے ہنگاموں (ہائے و ہُو) سے آباد کر۔

★ اُٹھ اور بنی نوعِ انسان کے دل میں نئی جان اور نئی اُمنگ پیدا کر دے اور لفظ قُمْ بِاِذْنِ اللّٰہ سے ہر زندہ انسان کو زندہ تر کر دے۔

★ اُٹھ اور ایک نئی راہ پر گامزن ہو جا اور سودائے کہن کی سرمستی کو اپنے سر سے نکال دے۔ (پُرانی اور فرسودہ راہ کو ترک کر اور نئی منزل کی جانب قدم بڑھا۔)

★ اُٹھ اور خود کو لذّتِ گفتار سے آشنا کر (یعنی خاموشی ترک کر دے) اے تو کہ جرسِ کارواں ہے، بیدار ہو اور بانگِ درا بلند کر۔ (تاکہ کارواں بھی بیدار ہو جائے)۔

★ پیرِ روم کے ان کلمات نے میرے تن بدن میں آگ سی پھونک دی اور میرا پیراہن گویا پیراہنِ شرر بن گیا، اور بانسری کی طرح میرے سینہ میں نغموں کا ہنگامہ برپا ہو گیا۔

★ جب میں اپنے ساز کے تار سے نغمہ بن کر اُٹھا یعنی نغمہ سرائی شروع کی تو سننے والوں کے لیے میرے نغمے فردوسِ گوش بن گئے۔

بر گرفتم پردہ از رازِ خودی

وانمودم سرِّ اعجازِ خودی [1]

بود نقشِ ہستیم انگارہٗ | ناقبولےٗ ناکسےٗ ناکارہٗ
عشق سوہاں زد مرا آدم شدم | عالمِ کیف و کمِ عالم شدم
حرکتِ اعصابِ گردوں دیدہ ام | در رگِ مہ گردشِ خوں دیدہ ام
بہرِ انساں چشمِ من شبہا گریست | تا دریدم پردۂ اسرارِ زیست
از درونِ کارگاہِ ممکنات | بر کشیدم سرِّ تقویمِ حیات
من کہ ایں شب را چو مہ آراستم | گردِ پائے ملّتِ بیضا ستم
ملّتے در باغ و راغ آوازہ اش | آتشِ دلہا سرودِ تازہ اش

---

[1] فردوس میں رومی سے یہ کہتا تھا سنائی | مشرق میں ابھی تک ہے وہی کاسہ وہی آش
حلّاج کی لیکن یہ روایت ہے کہ آخر | اک مردِ قلندر نے کیا رازِ خودی فاش

(ضربِ کلیم)

ناتوانوں کو عطا کی قوّتِ ضربِ کلیم | تو نے بخشے ملّتِ بے پر کو بالِ جبرئیل (سردار جعفری)

☆☆

★ مَیں نے خودی کے راز سے پردہ اُٹھایا
اور اس کے اعجاز کے اسرار فاش کیے۔

★ میرا وجود ایک ناتمام نقش تھا، ایک ناقص خاکے کی طرح ـــــ جو نامقبول، نازیبا اور ناکارہ تھا۔

★ لیکن جب عشق نے اپنا سوہان چلایا تو میں انسان بنا اور عالم کی اشیاء اوران کی حقیقت اور کیفیت کا مجھے علم ہوا۔ (عالم کے اسرار مجھ پر منکشف ہوئے)۔

★ اور میری نگاہِ بصیرت نے گردوں کے اعصاب کی حرکت و عمل کو بھی دیکھا اور ماہتاب کی شریانوں میں خون کی گردش بھی دیکھی۔ (کائنات کی حقیقت کو سمجھنے کی کوشش کی)

★ میں نے اِنسان اوراس کے مسائل کی جستجو میں ان گنت راتیں اشکباری میں کاٹیں یہاں تک کہ میں اسرارِ حیات کے پردوں کو چاک کرنے میں کامیاب ہوگیا۔

★ میں نے دنیائے آب و گِل کی کارگاہ سے زندگی کے سربستہ رازوں کو ڈھونڈ نکالا ہے اوراس کی پائندگی کا راز پالیا ہے

★ اگرچہ میں ملتِ بیضا (ملتِ اسلامی) کے قدموں کی دھول ہوں۔ بایں ہمہ میں نے عصرِ حاضر کی تاریک رات کو ماہِ تمام کی طرح روشن کیا ہے۔

★ یہ وہ ملت ہے جس کا شہرہ باغ و راغ یعنی سارے عالم میں ہے اور جس کے نغمے دلوں میں آگ لگا دیتے ہیں۔

☆☆ زندگیا ساقی بھی جس محفل میں پیاسا تھا وہاں
لے کے آیا دل کے پیمانے میں موجِ سلسبیل
آذرانِ عصرِ حاضر کے صنم خانوں میں آج
گونجتا ہے تیرے دم سے نغمۂ سازِ خلیل
زندگی دشوار تر کر دی غلامی کے لیے
کھینچ دی اس طرح آزادی کی تصویرِ جمیل
خواب کی آغوش سے بیداریاں پیدا ہوئیں
زندگی کی راکھ سے چنگاریاں پیدا ہوئیں
(سردار جعفری)

ذرّہ کِشت و آفتاب انبار کرد
خرمن از صد رومی و عطّار کرد

آہِ گرمم رخت بر گردوں کشم
گرچہ دُودم از تبارِ آتشم

خامہ ام از ہمّتِ فکرِ بلند
رازِ ایں نُہ پردہ در صحرا فگند

قطرہ تاہم پایۂ دریا شود
ذرّہ از بالیدگی صحرا شود

شاعری زیں مثنوی مقصود نیست [۱]
بُت پرستی بُت گری مقصود نیست

ہندیم از پارسی بیگانہ ام
ماہِ نو باشم تہی پیمانہ ام

حُسنِ اندازِ بیاں از من مجو
خوانسار و اصفہاں از من مجو

گرچہ ہندی در عذوبت شکر است
طرزِ گفتارِ دری شیریں تر است

---

[۱] اوروں کا ہے پیام اور میرا پیام اور ہے
عشق کے دردمند کا طرزِ کلام اور ہے
طائرِ زیرِ دام کے نالے تو سُن چکے ہو تم
یہ بھی سنو کہ نالۂ طائرِ بام اور ہے ☆☆

★ جس نے ذرّے بوئے اور آفتاب حاصل کیے اور اپنے کھلیان میں سینکڑوں عطار اور رومی کے انبار لگا دیے۔

★ میں وہ آہِ گرم ہوں جو آسمان میں پرواز کرتی ہے (جو آسمان کے لیے رختِ سفر باندھتی ہے) اگرچہ میں دھواں ہوں پھر بھی آگ کے خاندان سے ہوں۔

میرے قلم نے میری بلند فکر کی مدد سے نو افلاک کے پردوں کے اسرار ڈھونڈ نکالے اور انھیں اس صحرا (زمین) میں ہر طرف بکھیر دیے۔

★ تاکہ اس کے نتیجے میں ہر قطرہ دریا کی ہمسری کر سکے
اور ہر ذرّہ بڑھ کر صحرا بن جائے۔

★ اس مثنوی کی نگارش سے میرا مقصد محض شعر گوئی نہیں، محض زبان و بیان کی حسن کاری نہیں کیونکہ اس قسم کی بے مقصد شاعری کو میں بت گری اور بت پرستی تصور کرتا ہوں۔

★ میں ہندوستانی ہوں اور فارسی میری مادری زبان نہیں ہے۔ (اس لیے ایک لحاظ سے میں اس سے بیگانہ ہوں۔) لہٰذا میری مثال اس ہلالِ نو کی ہے جس کا پیمانہ خالی ہوتا ہے۔

★ چنانچہ مجھ سے زبان و بیان کی دلکشی اور حسن کاری کا تقاضا نہ کر جو اصفہان اور خوانسار کے شعراء کا خاصّہ ہے۔

★ اس میں شک نہیں کہ ہندوی زبان (اردو) شہد و شکر کی طرح شیریں ہے لیکن فارسی زبان اور اس کا طرزِ بیان زیادہ شیریں اور دلنشیں ہوتا ہے۔

☆☆ مری نوائے پریشاں کو شاعری نہ سمجھ — کہ میں ہوں محرمِ رازِ درونِ میخانہ

کہہ گئے ہیں شاعری جزویست از پیغمبری — ہاں سنا دے محفلِ ملّت کو پیغامِ سروش
آنکھ کو بیدار کر دے وعدۂ دیدار سے — زندہ کر دے دل کو سوزِ جوہرِ گفتار سے

فکر من از جلوه اش مسحور گشت | خانۂ من شاخ نخلِ طور گشت

پارسی از رفعتِ اندیشہ ام | در خورد با فطرتِ اندیشہ ام

خردہ بر مینا مگیر اے ہوشمند
دل بذوقِ خردۂ مینا بہ بند

در بیان اینکہ اصلِ نظامِ عالم از خودی است و تسلسلِ حیاتِ تعیناتِ وجود بر استحکامِ خودی انحصار دارد

پیکرِ ہستی ز آثارِ خودی است[1] | ہر چہ می بینی ز اسرارِ خودی است

خویشتن را چوں خودی بیدار کرد | آشکارا عالمِ پندار کرد

صد جہاں پوشیدہ اندر ذاتِ او | غیرِ او پیداست از اثباتِ او

---

1. کائنات کا وجود یا پیکرِ ہستی "خودی" (دانائے کبیر) ہی کا نتیجہ ہے۔ عالم ادراک یا عالمِ محسوسات یا دنیائے آب و گل یا تصوف کی زبان میں "ماسوا" کا وجود خدا کی خودی سے سرزد ہوا ہے۔ خودی کی ماہیت خلاّقی اور ورزش ارتقا ہے۔ جس غیر کو خودی نے اپنے ممکناتِ وجود کو ظہور میں لانے کے لیے خلق کیا ہے وہ ایک لحاظ سے غیر ہے۔ ☆

★ لہٰذا اس کے جلوؤں نے میری فکر کو مسحور کر لیا اور میرا قلم نخلِ طور کی شاخ بن گیا اور میں نے دُنیا کی اس شیریں زبان میں مثنوی نگاری شروع کی۔

★ چونکہ میری فکر کی پرواز بلند ہے اور فارسی اس کا ساتھ دیتی ہے۔ اس لیے فارسی میری فکر کو راس آگئی اور اس کی ہمدم و دم ساز بن گئی۔

★ لہٰذا اے ہوشمند! میرے جام و مینا پر نکتہ چینی نہ کر، بلکہ جام کے اندر جو شراب ہے اس سے لطف اُٹھا (یعنی میرے افکار و تصوّرات سے بصیرت حاصل کر)۔

نظامِ عالم کی اصل خودی ہے (جو خدا یا انائے کبیر ہے) اور تعیناتِ وجود کی حیات کا تسلسل خودی کے استحکام پر منحصر ہے

★ یہ دنیائے ہست و بود خودی (انائے مطلق یا انائے کبیر) کے آثار میں سے ہے۔ جو کچھ نظر آتا ہے وہ سب خودی کے اسرار کا اعجاز ہے۔ (خدا کی خواہش کی جلوہ سامانیاں ہیں)

★ جب خودی نے اپنے آپ کو بیدار کیا یعنی جب انائے مطلق نے تخلیقِ عالم کا ارادہ کیا تو یہ عالمِ محسوسات یعنی یہ جہانِ آب و گِل وجود میں آیا

★ اس کی ذات میں ایسے صدہا عالم پوشیدہ ہیں۔ اس نے اپنے وجود کے اثبات کے لیے غیرِ خود یعنی کائنات (انفس و آفاق) کو پیدا کیا۔

☆ اور دوسرے لحاظ سے خودی ہی کا مظہر ہے، (فکرِ اقبال صفحہ ۳۷۵۔ پانچواں ایڈیشن ۸۳ء)

"روز گارِ فقیر" میں وحید الدین نے پروفیسر سلیم چشتی کے حوالے سے لفظ خودی کے لیے قرآنی آیت خود علامہ اقبال کی زبانی نقل کی ہے۔ انھوں نے فرمایا کہ یہ آیت (سورۂ مائدہ: آیت ۱۰۵) استحکامِ خودی پر دلالت کرتی ہے۔ یَآ اَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا عَلَیْکُمْ اَنْفُسَکُمْ ج لَا یَضُرُّکُمْ مَّنْ ضَلَّ اِذَا اھْتَدَیْتُمْ ط اِلَی اللّٰہِ مَرْجِعُکُمْ ☆☆

در جہاں تخمِ خصومت کاشت است | خویشتن را غیرِ خود پنداشت است
ساز د از خود پیکرِ اغیار را | تا فزاید لذتِ پیکار را
میکشد از قوتِ بازوے خویش | تا شود آگاہ از نیروے خویش
خود فریبی ہاے او عینِ حیات | ہمچو گل از خون وضو عینِ حیات
بہرِ یک گل خونِ صد گلشن کند | از پئے یک نغمہ صد شیون کند
یک فلک را صد ہلال آوردہ است | بہرِ حرفے صد مقال آوردہ است
عذرِ ایں اسراف و ایں سنگیں دلی | خلق و تکمیلِ جمالِ معنوی
حسنِ شیریں عذرِ دردِ کوہکن | نافۂ عذرِ صد آہوے ختن
سوزِ پیہم قسمتِ پروانہ ہا | شمع عذرِ محنتِ پروانہ ہا

☆☆ جَمِيعاً فَيُنَبِّئُكُمْ بِمَا كُنتُمْ تَعْمَلُونَ ۝ اے لوگو! جو ایمان لائے ہو تم پر فرض ہے خودی یا نفس کی محافظت، اگر تم ہدایت پر ہو تو وہ شخص جو گمراہ ہے تمھیں کوئی ضرر نہیں پہنچا سکتا۔ تم سب کو اللہ ہی کے پاس واپس جانا ہے اور وہ تمھیں تمھارے اعمال پر مطلع کر دے گا، تا کہ ان کے مطابق تم تمھیں جزا و سزا مل سکے۔ —— "جہاں جہاں میں نے لفظ خودی استعمال کیا ہے اس سے مراد تشخص ذاتی یا احساسِ نفس ہے"۔ اقبال (رسالہ صحیفہ لاہور ۱۹۷۳ء)

★ اِس طرح اُس نے دنیا میں خود ہی غیریت (مخالف شے) کا بیج بویا اور خود کو غیرِ خود تصوّر کیا۔ (اس وجہ سے کائنات میں خصومت اور پیکار کا رنگ پیدا ہوگیا)۔

★ وہ از خود ہی اغیار کے پیکر بناتی ہے، غیروں کو وجود میں لاتی ہے تاکہ اس کے ذریعے تصادم و پیکار کی لذّت میں اضافہ ہوتا رہے۔

★ اور پھر اپنی ہی قوّتِ بازو سے انھیں فنا کرتی ہے تاکہ اسے اپنی طاقت کا اندازہ ہوسکے۔ (اس طرح حیات و موت کا سلسلہ جاری رہتا ہے)۔

★ اس کی یہ خود فریبیاں اس کے لیے عینِ حیات ہیں۔ گل کی طرح اپنے خون سے وضو کرنا ہی گویا (اس کی نظر میں) زندگی ہے۔ (وہی فنا بھی کرتی ہے اور نئی تخلیق بھی)۔

★ کبھی تو وہ حسبِ منشا ایک پھول پیدا کرنے کے لیے سینکڑوں گلستانوں کا خون کرتی ہے۔ اور ایک نغمہ کی تخلیق کے لیے سینکڑوں نالے بلند کرتی ہے۔ (یہ ارتقا کی تدریجی صورت ہے)۔[1]

★ اُس نے ایک فلک کی آرائش کی خاطر سینکڑوں ہلال پیدا کیے اور ایک حرف کے لیے سینکڑوں مقال اور گفتار پیدا کیے۔

★ خودی کے ہاتھوں جو یہ سنگ دلی اور بیجا اسراف کا مظاہرہ ہوتا ہے اس کا سبب یہ ہے کہ "تخلیقِ نو" (تازہ آفرینی اور تازہ کاری) کا سلسلہ جاری ہے۔

★ کوہکن کا درد و سوز اس لیے تھا کہ شیریں کا حُسن بڑھے۔ سینکڑوں آہوانِ ختن اس لیے ہیں کہ ایک مشک نافے کی تخلیق ہو۔

★ سوزِ پیہم پروانوں کا مقدّر ہے۔ ان کی جلن اور تڑپ اس لیے ہے کہ شمع کی رونق بڑھے۔

---

[1] ذات باری تعالیٰ اپنے اسماء و صفات میں متعیّن ہوکر عالمِ شہادت میں ظہور فرماتا ہے۔ صوفیائے کرام کا مشہور مقولہ ہے: كُنْتُ كَنْزاً مَخْفِيًا فَاَحْبَبْتُ اَنْ اُعْرَفَ فَخَلَقْتُ الْخَلْقَ وَتَعَرَّفْتُ اِلَيْهِمْ فَعَرَفُوْنِي۔ یعنی خدا فرماتا ہے کہ میں پوشیدہ خزانہ تھا۔ میں نے چاہا کہ میں پہچانا جاؤں، پس میں نے خلق کو پیدا کیا تاکہ وہ مجھے محبوب بنائے۔

خامۂ او نقشِ صد امروز بست — تا بیارد صبحِ فردائے بدست

شعلہ ہائے او صد ابراہیم سوخت [۱] — تا چراغِ یک محمد[۲] برفروخت

می شود از بہرِ اغراضِ عمل — عامل و معمول و اسباب و علل

خیزد، انگیزد، پرد، تابد، رمد — سوزد، افروزد، کشد، میرد، دمد

وسعتِ ایام جولانگاہِ او — آسماں موجے ز گردِ راہِ او

گل بجیبِ آفاق از گلکاریش — شب ز خوابش، روز از بیداریش

شعلۂ خود در شرر تقسیم کرد — [۲] جز پرستی عقل را تعلیم کرد

خود شکن گردید و اجزا آفرید — اندکے آشفت و صحرا آفرید

باز از آشفتگی بیزار شد — وز بہم پیوستگی کہسار شد

---

۱ حضرت ابراہیم علیہ السلام: سورۂ انبیاء کی آیات ۵۱ تا ۷۰ میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کے واقعات ترتیب کے ساتھ آئے ہیں۔ آیت ۶۸ اور ۶۹ کا مطلب حسبِ ذیل ہے۔

تب وہ کہنے لگے کہ اگر تمہیں اس سے اپنے معبود کا انتقام لینا ہے اور کچھ کرنا ہے تو اس کو آگ میں جلا ڈالو اور اپنے معبودوں کی مدد کرو۔ ہم نے حکم دیا: اے آگ سرد ہو جا اور ابراہیم پر موجبِ سلامتی بن جا۔

★ خودی کے موقلم نے سینکڑوں امروز کی اس لیے نقش آرائی کی (پیدا کیے) کہ ان سے ایک حسین وجمیل صبح فردا نمودار ہو۔

★ خودی کے شعلوں نے سینکڑوں ابراہیم کو آتش نمرود میں جھونکا (نارِ نمرود کی آزمائش وابتلا میں ڈالا) تاکہ چراغِ مصطفوی روشن ہو[1]

★ اس طرح خودی کو اپنے عمل کی خاطر مختلف روپ اختیار کرنے پڑتے ہیں۔ وہی عامل بھی بنتی ہے اور معمول بھی، وہی سبب بنتی ہے اور مسبّب بھی، وہی علت بھی ہے اور معلول بھی۔

☆ الغرض وہ (خودی) اُٹھتی ہے (اوروں کو) اُٹھاتی ہے۔ اُڑتی ہے، چمکتی ہے اور پھر غائب ہو جاتی ہے۔ وہ خود جلتی ہے (اوروں کو) جلاتی ہے اور پھر نمودار ہوتی ہے۔

★ زمانے کی پہنائیاں اس کی جولان گاہ ہیں۔ آسمان اس کی گردراہ کی ایک موج ہے۔ اس کی تخلیقی جلوہ سامانیاں صرف ایک کائنات تک محدود نہیں۔

★ اس کی گلکاری سے آسمان میں تارے اور زمین کے دامن میں پھول نظر آتے ہیں۔ جب وہ آرام کرتی ہے تو رات ہوتی ہے اور جب بیدار ہوتی ہے تو دن نکلتا ہے۔

★ اس نے اپنے شعلے کو چنگاریوں میں تقسیم کیا ہے (اس کی ذات نے صفات کے جلوے پیدا کیے اور کائنات نمودار ہوئی۔) اس طرح جزپرستی عقل کی عادت بن گئی۔

★ اس نے (خودی نے) خود شکنی اختیار کی اور (کائنات کے) اجزا پیدا کر لیے اور تھوڑی سی پریشانی اور آشفتگی اختیار کی اور دشت وصحرا بنا ڈالے۔

★ اور جب آشفتگی کے کام سے جی بھر گیا تو پھر باہمی جذب وکشش کا شیوہ اختیار کیا۔ اور ذرّوں سے کہسار بن گئے۔

---

[1] حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کے دین کو "تمھارے باپ ابراہیم کا دین" کہا گیا ہے۔ سورۃ الحج (آیت ۷۸) میں ہے: مِلَّةَ اَبِيْكُمْ اِبْرٰهِيْمَ ۔ علامہ اقبال لکھتے ہیں: میرے والد نے فرمایا۔ انسانیت کو جس معراج پر پہنچانا فطرت کا مقصود ہے اس کا نمونہ ہمارے سامنے محمدؐ کی صورت میں پیش کر دیا گیا۔ حضرت آدم سے لے کر حضرت عیسیٰ تک ☆☆☆

وانمودن خویش را خوئے خودی است
خفتہ در ہر ذرہ نیروے خودی است

قوّتِ خاموش و بیتابِ عمل

از عمل پابندِ اسبابِ عمل

چوں حیاتِ عالم از زورِ خودی است
پس بقدرِ استواری زندگی است

قطرہ چوں حرفِ خودی از بر کند
ہستیٔ بے مایہ را گوہر کند

بادہ از ضعفِ خودی بے پیکر است
پیکرش منّت پذیرِ ساغر است

گرچہ پیکر می پذیرد جامِ مے
گردش از ما وام گیرد جامِ مے

کوہ چوں از خود رود صحرا شود
شکوہ سنجِ جوششِ دریا شود

موج تا موج است در آغوشِ بحر
می کند خود را سوارِ دوشِ بحر

☆☆ ہر نبی میں محمدؐ ہی کے مختلف مدارج تھے۔ وہ سلسلے گویا Mohammad in the making (تکمیلِ محمدی) کے منازل تھے۔ بنیادی اصول ہر جگہ ایک تھا البتہ شعورِ انسانی کے ساتھ ساتھ فروعات کی تکمیل ہوتی جاتی تھی حتیٰ کہ محمدؐ مکمل ہو گیا، اور ہر بابِ نبوّت بند ہو گیا۔ (رسالۂ فکر و نظر، اسلام آباد۔ اگست ۱۹۷۶ء)

★ الغرض اپنی ذات کا اظہار اور خود نمائی خودی کی فطرت ہے۔ وہ ہزاروں روپ میں خود کو نمایاں کرتی ہے۔ لہٰذا ہر ذرہ میں اس کی قوت پوشیدہ ہے۔ [1]

★ وہ ایک خاموش اور پوشیدہ قوت ہے جو ہمیشہ عمل کے لیے بیتاب رہتی ہے اور جب عمل کرتی ہے تو قوانینِ عمل کی پابند بن جاتی ہے۔

★ چونکہ کائنات کی حیات کا انحصار زورِ خودی پر ہے اس لیے ہر شے کی زندگی اس کی خودی کی استواری پر منحصر ہوتی ہے۔

★ جب قطرہ حرفِ خودی ازبر کر لیتا ہے۔ (اور خود میں مضبوطی اور صلابت پیدا کرتا ہے) تو اپنی بے قدر ہستی کو گوہر میں ڈھال لیتا ہے۔

★ شراب کی خودی کمزور ہے۔ اس لیے وہ ذاتی پیکر سے محروم ہے۔ اس کی کوئی شکل وصورت نہیں۔ اپنے پیکر کے لیے اس کو ساغر کا احسانمند ہونا پڑتا ہے۔

★ اسی طرح اگرچہ ساغر کو پیکر (یعنی شکل وصورت) حاصل ہے لیکن چونکہ اس کی خودی بھی ناتمام ہے۔ وہ ہم سے گردش مستعار لیتا ہے اور ہمارا احسان مند رہتا ہے۔

★ جب پہاڑ اپنی ذات (اپنی خودی) کو ترک کرتا ہے تو بکھر کر صحرا بن جاتا ہے اور پھر سیلابی دریا اسے روندتے ہیں اور وہ شکایت کرتا ہے اور اپنے انجام پر افسوس کرتا ہے۔

★ موج جب تک اپنی خودی کو قائم رکھتی ہے اور موج بن کر بحر کی آغوش میں لہراتی رہتی ہے، وہ سمندر کے دوش پر سوار رہتی ہے۔

---

[1] عقل کی جزپرستی کا ذکر سورۃ المؤمن (آیت ۸۳) میں ہے: فَلَمَّا جَاءَتْهُمْ رُسُلُهُمْ ..... يَسْتَهْزِءُونَ ۝ اور جب ان کے پیغمبر ان کے پاس کھلی نشانیاں لے کر آتے تو جو علم (اپنے خیال میں) ان کے پاس تھا اس پر اترانے لگے اور جس چیز سے تمسخر کیا کرتے تھے اس نے ان کو آگھیرا۔

حلقۂ زد نور تا گردید چشم　　از تلاشِ جلوہ ہا جنبید چشم

سبزہ چوں تابِ دمید از خویش یافت　　ہمّتِ او سینۂ گلشن شگافت

شمع ہم خود را بخود زنجیر کرد　　خویش را از ذرّہ ہا تعمیر کرد

خود گدازی پیشہ کرد از خود رمید　　ہم چو اشک آخر ز چشمِ خود چکید

گر بفطرت پختہ تر بودے نگیں　　از جراحت ہا بیاسودے نگیں

می شود سرمایہ دارِ نامِ غیر　　دوشِ او مجروحِ بارِ نامِ غیر

چوں زمیں بر ہستیِ خود محکم است　　ماہ پابندِ طوافِ پیہم است

ہستیِ مہر از زمیں محکم تر است　　پس زمیں مسحورِ چشمِ خاور است

جنبش از مژگاں بُرد شانِ چنار　　مایہ دار از سطوتِ او کوہسار

ص ۳۲

لے ہر چیز میں نمو کی قوت رکھی گئی اور یہی اس کی زندگی کی دلیل ہے۔ سورۂ یٰسین آیت ۳۶ میں ہے : سُبْحَانَ الَّذِی خَلَقَ .... وَمِمَّا لَا يَعْلَمُوْنَ ہ وہ خدا پاک ہے جس نے زمین کی نباتات کے اور خود ان کے اور جن چیزوں کی ان کو خبر نہیں سب کے جوڑے بنائے ہیں۔

★ جب نور نے حلقہ کی شکل اختیار کی تو انسانی آنکھ بن گیا اور پھر یہ آنکھ جلوؤں کی تلاش میں پلکوں کو جنبش دینے لگی۔

★ جب سبزے میں بالیدگی کا جذبہ پیدا ہوا تو وہ اپنی ہمت اور جوشِ نمو سے زمین کے سینے کو چیر کر باہر نکل آیا۔

★ جب شمع کے دِل میں خودگری کا شوق پیدا ہوا تو اُس نے خود کو پابند کرلیا یعنی ذرّوں کے باہمی جذب و کشش سے شمع بن گئی۔

★ لیکن جب وہ خود سے دور ہوگئی (خودی کو ترک کیا) اور خودگدازی (جلنے اور گھلنے) کا شیوہ اختیار کیا تو اپنی آنکھ سے آنسو بن کر ٹپکی اور معدوم ہوگئی۔

★ اگر انگشتری کے نگینے کی فطرت میں پختگی ہوتی تو چھینی کی تراش خراش سے اس کا سینہ زخمی نہ ہوتا۔

★ اس کی نرمی کی وجہ سے اس پر غیر کا نام کندہ ہوتا ہے اور غیر کے نام سے اس کا شانہ اور غیرت دونوں مجروح ہوتے ہیں۔

★ چونکہ زمین کی ہستی مستحکم ہے (اس کی خودی استوار ہے) لہٰذا چاند کو پابندی کے ساتھ اس کا طواف کرنا پڑتا ہے۔

★ اور چونکہ سورج کی ہستی (خودی) زمین سے بھی زیادہ پختہ اور محکم ہے اس لیے زمین چشمِ خورشید کی مسحور ہے۔ وہ اس کی آنکھ کے اشاروں پر ناچتی ہے۔

★ چنار کے درخت کی شانِ رفعت کا یہ عالم ہے کہ جب آنکھ اسے دیکھتی ہے تو پلک مارنا بھول جاتی ہے۔ اس کی سطوت (رعب و داب) سے پہاڑوں کی شان دوبالا ہوجاتی ہے۔

☆☆ فریبِ نظر ہے سکون و ثبات
تڑپتا ہے ہر ذرّۂ کائنات
سمجھتا ہے تو راز ہے زندگی
فقط ذوقِ پرواز ہے زندگی

تار و پودِ کسوتِ او آتش است　　　اصل او یک دانۂ گردن کش است

چوں خودی آرد بہم نیروئے زیست
می کشاید قلزمے از جوئے زیست

در بیان اینکہ حیاتِ خودی از تخلیق و تولیدِ مقاصد است

زندگانی را بقا از مدعاست [1]　　　کاروانش را درا از مدعاست

زندگی در جستجو پوشیدہ است　　　اصلِ او در آرزو پوشیدہ است

آرزو را در دلِ خود زندہ دار　　　تا نگردد مشتِ خاکِ تو مزار

آرزو جانِ جہانِ رنگ و بوست　　　فطرتِ ہر شے امینِ آرزوست

---

[1] مقصد آفرینی اور مقصد کوشی ہی زندگی کی دلیل ہے۔ وہ زندگی بیکار ہے جس میں آرزو نہ ہو۔ حصولِ آرزو کے لیے ہمت اور استقلال سے زندگی کا مقابلہ کرنا چاہیے۔ سورہ لقمان آیت ۱۷ میں ہے: وَاصْبِرْ عَلٰی مَآ اَصَابَکَ اِنَّ ذٰالِکَ مِنْ عَزْمِ الْاُمُوْرِ ٥ اور استقلال اختیار کر اس پر جو تجھ پر افتاد پڑے۔

☆☆

★ اُس کے لباس کا تانا بانا گویا آگ سے بنا ہے اور اس کی شان و شوکت کا اصل سبب اس کا وہ ذیج ہے جس میں گردن اونچی رکھنے (سربلندی) کی ہمت ہے۔

★ جب خودی اِنسانی زندگی کے لیے طاقت اور استواری حاصل

کرلیتی ہے تو زندگی کی ندی بحرِ بیکراں بن جاتی ہے۔

حیاتِ خودی کا اِنحصار مقاصد کی تخلیق و تولید پر ہے

★ زندگی کی بقا کا انحصار مقصد پر ہے۔ مقصد ہی کاروانِ حیات کی جرس ہے۔

★ زندگی کا راز آرزو اور جستجو میں پوشیدہ ہے۔ آرزو ہی اس کا اصل محرک اور بُنیاد ہے۔

★ لہٰذا اپنے دِل میں آرزو کو ہمیشہ زندہ رکھ تاکہ تیری مشتِ خاک۔ خاکِ مزار بن کر نہ رہ جائے۔ یعنی تو چلتی پھرتی لاش کے مانند نہ ہو جائے۔

★ جہانِ رنگ و بُو میں آرزو ہی کی وجہ سے جان ہے۔ ہر شے کی فطرت میں آرزو پوشیدہ ہے۔ ہر شے کی فطرت آرزو کی امانت دار ہے۔

☆☆ بے شک یہ بڑی ہمت کے کاموں میں سے ہے۔
سورۂ آلِ عمران آیت ۱۳۹ میں ہے: وَلَا تَهِنُوا وَلَا تَحْزَنُوا وَأَنتُمُ الْأَعْلَوْنَ إِن كُنتُم مُّؤْمِنِينَ ۞ اور نہ سست پڑو اور نہ غم کرو۔ تم ہی غالب رہو گے اگر تم مومن ہو۔

LIBRARY
Anjuman Taraqqi Urdu (Hind)

از تمنا رقصِ دِل در سینہ ہا — سینہ ہا از تاب او آئینہ ہا

طاقتِ پرواز بخشد خاک را (۱) — خضر باشد موسئ ادراک را

دل ز سوزِ آرزو گیرد حیات — غیرِ حق میرد چو او گیرد حیات

چوں ز تخلیقِ تمنا باز ماند — شہپرش بشکست و از پرواز ماند

آرزو ہنگامہ آرائے خودی — موجِ بیتابے ز دریائے خودی

آرزو صیدِ مقاصد را کمند — دفترِ افعال را شیرازہ بند

زندہ را نفئ تمنا مردہ کرد — شعلہ را نقصانِ سوز افسردہ کرد

چیست اصلِ دیدۂ بیدار ما ؟ — بست صورت لذتِ دیدار ما

کبک پا از شوخئ رفتار یافت — بلبل از سعی نوا منقار یافت

---

(۱) یہی آرزو انسان کو زندگی بخشتی ہے اور علم و ادراک کی رہنما بن جاتی ہے ۔
حضرت موسیٰؑ اور حضرت خضرؑ کا واقعہ سورۂ کہف آیات ۶۵ تا ۸۲ میں ہے ۔

★ آرزو ہی کی وجہ سے دِل سینوں میں رقص کرتے ہیں۔ آرزو کی تپش (اور جلاکاری) سینوں کو آئینہ بنا دیتی ہے۔

★ آرزو خاک کو پرواز کی طاقت عطا کرتی ہے اور موسیٰ عقل کے لیے خضر کا کام کرتی ہے (عقل کی رہبر بن جاتی ہے۔)

★ آرزو کے سوز سے دِلوں میں جان پڑ جاتی ہے۔ مردہ دِل زندہ ہو جاتے ہیں۔ اور جب دِل زندہ ہو جاتا ہے تو "غیر حق" (باطل) کو موت آ جاتی ہے۔

★ لیکن جوں ہی دل آرزو سے بیگانہ ہو جاتا ہے اور مقاصد آفرینی کی صلاحیت کھو بیٹھتا ہے تو اس کا شہپر ٹوٹ جاتا ہے اور وہ پروانہ سے محروم ہو جاتا ہے۔

★ آرزو ہی سے خودی کے ہنگامے برپا ہوتے ہیں۔ آرزو ہی خودی کے سمندر کی بے قرار موج ہوتی ہے۔

★ آرزو مقاصد کو شکار کرنے کے لیے کمند بن جاتی ہے۔ وہ اعمال و افعال کے دفتر کی شیرازہ بندی کرتی ہے۔ (انسان کے معاملات میں ضبط و تنظم پیدا کرتی ہے)۔

★ تمنّا کی نفی اور آرزو کی محرومی زندہ اِنسان کو مُردہ بنا دیتی ہے۔ شعلے میں سوز کی کمی ہو تو وہ جلد بجھ جاتا ہے۔

★ ہماری آنکھوں کے وجود کی اصل حقیقت کیا ہے؟ دیکھنے کا شوق! دیدار کی تمنّا۔ ہماری آرزو، ہماری شدید خواہشِ دید نے آنکھ کی صورت اختیار کی ہے۔

★ یہی حال کبک اور بلبل کا ہے۔ شوخیٔ رفتار کی شدید خواہش کے طفیل کبک نے پاؤں حاصل کیے اور نغمے کی شدید تمنّا اور کوشش کے نتیجے میں بلبل نے منقار حاصل کی۔[1]

---

[1] کبک کے دل میں خوشخرامی کی شدید خواہش پیدا ہوئی، اسی خواہش نے کبک کے پاؤں کی شکل اختیار کر لی، اسی طرح بلبل کے دل میں خوش نوائی کا شدید جذبہ پیدا ہوا جس نے اس کی چونچ کی شکل اختیار کر لی۔

نے بروں از نیستاں آباد شد — نغمہ از زندانِ او آزاد شد

عقلِ ندرت کوش و گردوں تاز چیست — ہیچ میدانی کہ ایں اعجاز چیست

زندگی سرمایہ دار از آرزوست — عقل از زائیدگانِ بطنِ اوست

چیست نظمِ قوم و آئین و رسوم — چیست رازِ تازگیہائے علوم

آرزوئے کو بزورِ خود شکست — سر ز دل بیروں زد و صورت بہ بست

دست و دندان و دماغ و چشم و گوش — فکر و تخییل و شعور و یاد و ہوش

زندگی مرکب چو در جنگاہ باخت — بہرِ حفظِ خویش ایں آلات ساخت

آگہی از علم و فن مقصود نیست — غنچہ و گل از چمن مقصود نیست

علم از سامانِ حفظِ زندگی است — علم از اسبابِ تقویمِ خودی است

★ جب نے (بانسری) نے نغمہ سرائی کی آرزو میں اپنے نیستان کو ترک کیا تب کہیں جا کر نغمہ اس کی قید سے آزاد ہوا اور نَے کے سینے سے نغمے پھوٹ نکلے۔

★ یہ جدّت طراز عقل (یہ نت نئے ایجاد و انکشاف کرنے والی عقل) یہ آسمان پر پرواز (یلغار) کرنے والی عقل آخر کیا شے ہے؟ کیا تم جانتے ہو کہ یہ کیسا اعجاز ہے؟

★ یہ آرزو ہی ہے جو زندگی کو مایہ دار اور پُر بہار بناتی ہے۔ عقل بھی اسی کے بطن سے پیدا ہوئی ہے۔

★ قوم و ملت کے نظم و نسق اور آئین و رسوم کی کیا حقیقت ہے؟ علوم و فنون کی تازہ کاری اور آئے دن نت نئے ایجاد و انکشاف کا کیا سبب ہے؟

★ یہ سب آرزو کا اعجاز ہے' جو شدتِ جذبہ سے دل کی سرحدوں کو توڑ کر باہر نکل آتی ہے اور نت نئی صورتوں (ایجاد و انکشاف اور رسم و رواج) میں ڈھل جاتی ہے۔

★ ہاتھ، پاؤں، دانت، ناک، آنکھ کیا ہیں؟ فکر و تخیل، شعور و عقل اور یادو ہوشمندی کیا ہیں؟ یہ سب آرزو ہی کے طفیل وجود میں آئے ہیں۔

★ جب زندگی نے کارزارِ حیات میں (جہد و عمل کے میدان میں) اپنا گھوڑا دوڑایا تو اپنی حفاظت کے لیے یہ سب آلات تیار کر لیے۔ [1]

★ علم و فن کا مقصود محض آگہی اور معلومات کا حاصل کرنا نہیں ہے۔ چمن بندی کا مقصود محض غنچہ و گل ہی پیدا کرنا نہیں بلکہ کچھ اور بھی ہے۔

★ علم کا مقصد زندگی اور خودی کی حفاظت کے لیے سامان پیدا کرنا ہے' خودی کی تعمیر اور پائیداری کے لیے اسباب مہیا کرنا ہے۔

---

[1] کھا کھا کے طلب کا تازیانہ
دوڑتا ہے اشہبِ زمانہ

علم و فن از پیشِ خیزانِ حیات ۱ ؎ علم و فن از خانہ زادانِ حیات

اے ز رازِ زندگی بیگانہ خیز از شرابِ مقصدے مستانہ خیز

مقصدے مثلِ سحر تابندۂ ماسوٰی را آتشِ سوزندۂ

مقصدے از آسماں بالاترے دل ربائے، دلستانے، دلبرے

باطلِ دیرینہ را غارت گرے فتنہ در جیبے، سراپا محشرے

ما ز تخلیقِ مقاصد زندہ ایم از شعاعِ آرزو تابندہ ایم

در بیان اینکہ خودی از عشق و محبّت استحکام می پذیرد

نقطۂ نورے کہ نامِ او خودی است زیرِ خاکِ ما شرارِ زندگی است

---

۱ ؎ سورۂ طٰہٰ میں علم کے لیے دُعا سکھائی گئی ہے، کیونکہ یہ زندگی کے لیے از بس ضروری ہے۔
رَبِّ زِدْنِیْ عِلْمًا ۝ اے رب بڑھا تارہ مجھے علم میں۔

★ علم وفن زندگی کے خدمت گزار اور پیش کار ہیں۔ علم وفن حیات کے خانہ زاد (گھر کے پلے ہوئے) ملازم ہیں۔

★ اے انسان کہ تو زندگی کے راز سے بیگانۂ محض ہے، اُٹھ! ہاں اُٹھ! مقصد کی شراب پی کر مستانہ وار اُٹھ!

★ ایسا مقصد جو صبح کی مانند روشن ہو اور جو ماسوا کے لیے (اللہ کے سوا ہر چیز کے لیے) آتشِ سوزاں بن جائے۔

★ ایسا مقصد جو آسمان سے بھی زیادہ ارفع واعلیٰ ہو اور جو محبوب کی طرح دلکش، دلآویز اور دلربا ہو۔

★ جو باطل کے پُرانے طلسم کو مسمار کر دے۔ اس کے لیے تباہی کا طوفان اور حشر کا ہنگامہ برپا کر دے۔

★ ہم مقاصد کی تخلیق سے زندہ ہیں اور آرزوں کی شعاعوں سے تابندہ ہیں۔

خودی عشق ومحبّت سے استحکام حاصل کرتی ہے۔

★ وہ نور کا روشن نقطہ جسے خودی کہتے ہیں، ہماری مشتِ خاک میں زندگی کی چنگاری ہے۔ گویا خودی ہی ہماری اصل زِندگی ہے۔[1]

---

[1] سورہ البقرہ (آیت: ۲۶۹) میں ہے۔ من یوت الحکمۃ فقد اوتی خیراً کثیراً ہ
جس کو حکمت دی گئی تو گویا اسے دولتِ کثیر دی گئی۔

از محبت می شود پاینده تر — زنده تر، سوزنده تر، تابنده تر

از محبت اشتعالِ جوہرش — ارتقاے ممکناتِ مضمرش

فطرتِ او آتش اندوزد زِ عشق — عالم افروزی بیاموزد زِ عشق

عشق را از تیغ و خنجر باک نیست — اصلِ عشق از آب و باد و خاک نیست

در جہاں ، ہم صلح ہم پیکار عشق — آبِ حیوان تیغِ جوہر دارِ عشق ¹

از نگاہِ عشق خارا شق بود — عشقِ حق آخر سراپا حق بود

عاشقی آموز و محبوبے طلب — چشمِ نوحے، قلبِ ایوبے طلب

کیمیا پیدا کن از مشتِ گلے — بوسہ زن بر آستانِ کاملے

شمعِ خود را ہمچو رومی بر فروز — روم را در آتشِ تبریز سوز

---

¹ سورہ بقرہ آیت ۱۵۴ : وَلَا تَقُولُوا لِمَنْ يُقْتَلُ فِي سَبِيلِ اللّٰهِ أَمْوَاتٌ ۚ بَلْ أَحْيَاءٌ وَلَٰكِنْ لَّا تَشْعُرُونَ ۝ جو لوگ خدا کی راہ میں مارے جائیں ان کی نسبت یہ نہ کہنا کہ وہ مرے ہوئے ہیں (وہ مردہ نہیں) بلکہ زندہ ہیں، تم نہیں جانتے۔

ہرگز نمیرد آن کہ دلش زندہ شد زعشق — ثبت است بر جریدۂ عالم دوامِ ما

★ وہ عشق و محبّت سے زیادہ محکم اور پائیدار بنتی ہے۔ محبّت اُسے زیادہ جان دار، پرسوز اور تابدار بناتی ہے۔

★ محبت ہی اس کے جوہر کو جلا بخشتی ہے اور اس کی پوشیدہ صلاحیتوں اور امکانی قوتوں کو پروان چڑھاتی ہے۔

★ عشق کی آگ سے خود کو مشتعل اور روشن رکھنا اس کی فطرت ہے۔ عشق ہی اس کو "عالم افروزی" یعنی عالم میں روشنی پھیلانے کی تعلیم دیتا ہے۔

★ عشق تیغ و خنجر سے خوف نہیں کھاتا، کیونکہ اس کی اصل دُنیائے آب و گِل یعنی آب و آتش باد و خاک سے نہیں ہے جو فانی ہیں عشق لافانی ہے۔ لہٰذا اسے موت کا کھٹکا نہیں۔

★ اس عالم میں عشق ہی کے سبب صلح بھی ہے اور جنگ بھی۔ عشق کی تلوار کا پانی آبِ حیات ہوتا ہے (عشق کا شہید یعنی راہ حق میں مرنے والا مرتا نہیں بلکہ امر بن جاتا ہے)۔

★ عشق کی ایک نگاہِ غلط انداز چٹانوں کو شق کر دیتی ہے (حضرت موسیٰ کی طرف اشارہ ہے۔) عشق حق آخر کار سراپا حق بن جاتا ہے۔

★ لہٰذا عاشقی اختیار کر اور کسی محبوب کو تلاش کر اور اس کے لیے حضرت نوحؑ کی چشم بصیرت اور حضرت ایوبؑ کا صبر آزما جگر پیدا کر (وَتَوَاصَوْا بِالْحَقِّ ۙ وَتَوَاصَوْا بِالصَّبْرِ)

★ اپنی مشتِ خاک سے کیمیا پیدا کر اور اس کے لیے کسی عارفِ کامل کے آستانے کو بوسہ دے۔ (کسی کامل انسان کی صحبت اختیار کر تاکہ اس کی تربیت سے تجھ کو علم و عرفان حاصل ہو)۔[1]

★ رومیؒ کی طرح اپنی شمع دل کو روشن کر اور اپنی ذات (روم) کو عشق (تبریز) کی آگ میں جلا۔ (شمس تبریز کی نظر نے رومی کے دل میں عشق کی آگ مشتعل کر دی تھی)۔

---

[1] بیا کہ چارۂ ذوقِ حضور و نظمِ امور
بہ فیض بخشیِ اہلِ نظر توانی کرد (حافظ)
صحبتِ صالح ترا صالح کند
صحبتِ طالح ترا طالح کند (رومی)

ہست معشوقے نہاں اندر دلت ؎ چشم اگر داری، بیا، بنمائمت

عاشقانِ او ز خوباں خوب تر خوشتر و زیباتر و محبوب تر

دل ز عشقِ او توانا می شود خاک ہم دوشِ ثریا می شود

خاکِ نجد از فیضِ او چالاک شد آمد اندر وجد و بر افلاک شد

در دلِ مسلم مقامِ مصطفیٰؐ است آبروئے ما ز نامِ مصطفیٰؐ است

طور موجے از غبارِ خانہ اش کعبہ را بیت الحرم کاشانہ اش

کمتر از آنے ز اوقاتش ابد کاسب افزایش از ذاتش ابد

بوریا ممنونِ خوابِ راحتش تاجِ کسریٰ زیرِ پائے امتش

در شبستانِ حرا خلوت گزید قوم و آئین و حکومت آفرید

؎ بہ مصطفیٰ برساں خویش را کہ دیں ہمہ اوست اگر بہ او نرسیدی تمام بولہبی ست (اقبال)

لقد کان لکم فی رسول اللہ اسوۃ حسنۃ لمن کان یرجوا اللہ والیوم الآخر و ذکر اللہ کثیرا (الاحزاب ۲۱) تمھارے لیے اللہ کے رسول میں بہترین نمونہ ہے، ہر اس شخص کے لیے جو اللہ کا اور آخرت کے دن کا امیدوار ہو اور اللہ کو بہت زیادہ یاد کرے۔

★ تجھے پتہ نہیں کہ تیرے دِل کے نہاں خانے میں معشوق پوشیدہ ہے۔ اگر تو دیدۂ بینا رکھتا ہے تو آ کہ میں تجھے اس کا جلوہ دکھلاؤں۔

★ جو لوگ اس کے عاشق ہوتے ہیں وہ حسینوں سے بھی زیادہ حسین، اور دلکش زیبا اور محبوب بن جاتے ہیں۔

★ اس کے عشق سے عاشق کا دِل زیادہ قوی اور توانا بن جاتا ہے اور اس کی مشتِ خاک آسمان کے برابر اور ثریا کی ہمسر بن جاتی ہے۔

★ نجد کی خاک اسی محبوب کے فیض سے زیرک اور چالاک بن گئی۔ وہ عالم وجد میں جھوم اٹھی اور آخر کار افلاک پر پہنچ گئی۔ (حضورؐ کی معراج کی طرف اشارہ ہے)

★ مسلمان کے حریم دل میں حضرت مصطفےٰؐ کا مقام ہوتا ہے۔ وہی ہمارے محبوب ہیں۔ سچ تو یہ ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے نام سے ہی ہماری آبرو ہے۔

★ کوہ طور حضورِ اکرمؐ کے غبارِ خانہ کی ایک موج ہے۔ حضورؐ کا کاشانہ خود کعبہ کے لیے گویا بیت الحرم ہے (خود کعبے کے لیے ایک کعبے کی حیثیت رکھتا ہے)

★ ابد کی مدّت جس کی معیاد کا کوئی شمار نہیں، حضورؐ کی حیات پاک کے ایک لمحے سے بھی کمتر ہے۔ ابد بھی اپنی افزائش کے لیے آپؐ کی ذات کی مرہونِ منّت ہے۔

★ حضورؐ کا یہ حال تھا کہ وقتِ خواب آپ بوریے پر استراحت فرماتے، لیکن آپ کی اُمّت کے قدموں کے نیچے قیصر و کسریٰ کے تاج ہوتے۔

★ آپ نے حرا کے شبستان (غارِ حرا) میں خلوت اختیار کی اور ایک نئی قوم اور ایک نئے آئین اور نظامِ حکومت کی بنیاد ڈالی۔

ا‌ے اِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰهَ فَاتَّبِعُوْنِىْ يُحْبِبْكُمُ اللّٰهُ ۝ (آلِ عمران)

اے لوگو! اگر تم کو خدا کی محبت کا دعویٰ ہے تو میری اتباع کرو تو خدا تم کو پیار کرے گا۔

اِنَّكَ لَمِنَ الْمُرْسَلِيْنَ وَ اِنَّكَ لَعَلٰى خُلُقٍ عَظِيْمٍ ۝

اے محمدؐ بیشک تو پیغمبروں میں سے ہے اور تو اخلاق کے بڑے درجے پر ہے۔

ماندِ شبہا چشمِ او محرومِ نوم | تا بہ تختِ خسروی خوابید قوم

وقتِ ہیجا تیغِ او آہن گداز | دیدۂ او اشکبار اندر نماز

در دُعائے نصرت آمیں تیغِ او | قاطعِ نسلِ سلاطیں تیغِ او

در جہاں آئینِ نو آغاز کرد | مسندِ اقوامِ پیشیں در نورد

از کلیدِ دیں درِ دنیا کشاد ۱ | ہمچو او بطنِ امِ گیتی نزاد

در نگاہِ او یکے بالا و پست | با غلامِ خویش بر یک خواں نشست

در مصافے پیش آں گردوں سریر | دخترِ سردارِ طے آمد اسیر

پائے در زنجیر و ہم بے پردہ بود | گردن از شرم و حیا بے پردہ بود

دخترک را چوں نبیؐ بے پردہ دید | چادرِ خود پیشِ روئے او کشید

---

۱ اللہ کی مخلوق میں اشرف انساں | اور اشرف الانسان محمدؐ صلعم

لاریب ہے کونین کا حاصل قرآں | اور حاصلِ قرآن محمدؐ صلعم

(زیڈ عابد)

★ حضورؐ نے بے شمار راتیں جاگتے ہوئے کاٹیں (آپؐ کی آنکھیں نیند سے محروم رہیں) جس کے نتیجے میں آپؐ کی قوم سینۂ خسروی پر محوِ خواب ہوئی۔

★ میدانِ جنگ میں آپؐ کی شمشیرِ فولاد (تیغ و خود و زرہ) کو پگھلا کر رکھ دیتی تھی، لیکن جب وقتِ نماز آتا تو آپؐ کی آنکھیں حضورِ باری میں اشکبار ہو جاتیں۔

★ جب حضورؐ نصرت و فتح مندی کی دعا مانگتے تو آپؐ کی تیغ (اپنی زبانِ عزم و عمل سے) آمین کہتی۔ لہٰذا اس تیغ نے سلاطین کی نسلوں کو کاٹ کر رکھ دیا۔

★ حضورؐ نے اس دنیا میں ایک نئے آئین، ایک نئے نظامِ حیات کا آغاز کیا اور گذشتہ اقوام کی مسندوں کو اٹھوا دیا۔

★ آپ نے دین کی کنجی سے دنیا کے دروازے کھولے، دین و دنیا کی تفریق مٹا دی اور دین کو دنیوی معاملات کی اساس قرار دیا۔ مادرِ گیتی نے آج تک آپؐ جیسا انسان پیدا نہیں کیا۔

★ حضورؐ کی نگاہ میں اعلیٰ و ادنیٰ سب یکساں تھے۔ آپؐ اپنے غلام کے ساتھ دسترخوان پر کھانا تناول فرماتے۔

★ ایک مرتبہ جنگ کے دوران اس فلک نشین پیغمبر کے حضور (سامنے) قبیلۂ طے کے سردار کی دختر اسیر کر کے لائی گئی۔

★ اُس کے پاؤں میں زنجیر تھی، اور اس کا سر برہنہ تھا۔ (وہ بے پردہ تھی) اور شرم و حیا کے باعث اپنی گردن جھکائے ہوئے تھی۔

★ جونہی پیغمبر صلعم نے اس خاتون کو بے پردہ دیکھا تو فوراً اپنی چادر اس کے سر (چہرہ) پر ڈال دی۔

حسنِ یوسف، دمِ عیسیٰ، یدِ بیضا داری
آنچہ خوباں ہمہ دارند تو تنہا داری

ما از خاتونِ طُے عریاں تریم پیشِ اقوامِ جہاں بے چادریم

روزِ محشر اعتبارِ ماست او در جہاں ہم پردہ دارِ ماست او

لطف و قہرِ او سراپا رحمتے آں بیاراں ایں با عدا رحمتے

آں کہ بر اعدا درِ رحمت کشاد [1] مکہ را پیغامِ لاتثریب داد

ما کہ از قیدِ وطن بیگانہ ایم چوں نگہ نورِ دو چشمیم و یکیم

از حجاز و چین و ایرانیم ما شبنمِ یک صبحِ خندانیم ما

مستِ چشمِ ساقیٔ بطحا ستیم در جہاں مثلِ مے و مینا ستیم

امتیازاتِ نسب را پاک سوخت [2] آتشِ او ایں خس و خاشاک سوخت

چوں گلِ صد برگ ما را بو یکیست اوست جانِ ایں نظام و او یکیست

---

[1] سورہ یوسف آیت ۹۲ میں ہے کہ یوسف علیہ السلام نے اپنے بھائیوں کو "لا تثریب علیکم الیوم" (آج کے دن تم پر کوئی مواخذہ نہیں) کہہ کر معاف کر دیا تھا۔ رحمتِ عالمؐ نے فتح مکہ کے موقع پر یہی الفاظ کہہ کر سب دشمنوں کو معاف فرما دیا تھا۔ اسی دن ابوسفیان اور اہلِ مکہ نے پیغمبر صلعم کے حضور حضرت یوسفؑ کے بھائیوں کے الفاظ میں عفو طلب کیا تو حضورؐ نے بھی حضرت یوسفؑ ☆

★ آج ہماری زبوں حالی کا یہ عالم ہے کہ ہم قبیلۂ طے کی اس خاتون سے بھی زیادہ عریاں ہیں اور اقوامِ عالم کے سامنے سر برہنہ ہیں۔ (دُنیا کی نظروں میں ذلیل و خوار ہیں)

★ حشر کے دن وہی ہمارا آسرا اور سہارا ہیں۔ اور اس دنیا میں بھی وہی ہمارے پردہ دار ہیں۔

★ حضورؐ کا لطف و قہر دونوں بھی سراپا رحمت تھے۔ ایک دوستوں کے حق میں دوسرا دشمنوں کے حق میں۔

★ جب حضورؐ نے دشمنوں پر اپنی رحمت کا دروازہ کھولا تو فتح مکہؐ کے دن سارے شہر مکہؐ میں اعلان کر دیا کہ آج ہم نے سب کو معاف کر دیا۔

★ ہم کہ قیدِ وطن سے آزاد ہیں۔ ہماری مثال نظر کی سی ہے۔ یعنی ہم دو آنکھوں کا نور ہیں پھر بھی ایک ہیں۔

★ اگرچہ ہم حجاز، چین اور ایران جیسے مختلف ملکوں کے باشندے ہیں پھر بھی ہم ایک ہیں۔ ایک ہی صبح خنداں کی شبنم کے قطرے ہیں۔

★ ہم ساقیٔ بطحا کی چشم سے مست و سرشار ہیں اور دنیا میں جام و شراب کی طرح باہم وابستہ و پیوستہ ہیں۔

★ ہمارے پیغمبرؐ نے نام و نسب اور رنگ و نسل کے تمام امتیازات مٹا کر رکھ دیے ہیں۔ ان کی آتش (تعلیمات) نے اس قسم کے تمام خس و خاشاک کو جلا کر خاک کر دیا ہے۔

★ گلِ صد برگ کی پنکھڑیوں میں ایک ہی بو ہوتی ہے۔ اسی طرح مختلف ملکوں کے مسلمان بھی ایک ہیں۔ حضورؐ ہی اسلامی نظام کے روحِ رواں ہیں۔ وہ ایک ہیں لہٰذا ہم سب ایک ہیں۔

☆ والا جواب دیتے ہوئے فرمایا: "لا تثریب علیکم الیوم" تم پر آج کے دن کوئی گرفت نہیں۔

☆☆ سنہ ۱۰ ہجری میں حجۃ الوداع کے موقع پر میدانِ عرفات میں حضور اکرمؐ نے مسلمانوں سے خطاب کرتے ہوئے بہت سی ہدایات دیں، ان میں سے ایک یہ تھی: اے لوگو! تمھارا رب ایک ہی ہے اور تمھارا ابوالآبا بھی ایک ہی ہے۔ تم سب آدم کی اولاد ہو اور آدم مٹی سے پیدا کیے گئے۔ ☆☆

سرِّ مکنونِ دلِ او ما بدیم | نعرۂ بے باکانہ زد، افشا شدیم
شورِ عشقش در نئے خاموشِ من | می تپد صد نغمہ در آغوشِ من
من چہ گویم از تولّایش کہ چیست | خشک چوبے در فراقِ او گریست
ہستئ مسلم تجلّی گاہِ او | طورہا بالد ز گردِ راہِ او
پیکرم را آفرید آئینہ اش | صبحِ من از آفتابِ سینہ اش
در تپیدِ دمبدم آرامِ من | گرم تر از صبحِ محشر شامِ من
ابرِ آذار است و من بستانِ او | تاکِ من نمناک از بارانِ او
چشم در کشتِ محبّت کاشتم | از تماشا حاصلے برداشتم
خاکِ یثرب از دو عالم خوشتر است | اے خنک شہرے کہ آنجا دلبر است

☆☆ کسی عربی کو عجمی کے مقابلے میں کوئی برتری حاصل نہیں اور نہ کسی عجمی کے لیے عربی کے مقابلے میں برتری ہے۔ کوئی برتری ہے تو تقویٰ کی بنا پر۔

مرے فرزند قرآں کا ادب کر | مسلماں زادہ ہے ترکِ نسب کر | (اقبال کی رباعی کا ترجمہ)
اگر اپنے نسب او رنگ و خوں پر | عرب کو ناز ہے ترکِ عرب کر | شہاب

★ ہم ہی حضورؐ کے دِل کے سربستہ راز تھے اور جب آپؐ نے نعرۂ توحید بلند کیا تو ہم آشکار ہو گئے۔ (ملّتِ اسلامیہ وجود میں آ گئی)

★ لہٰذا میری خاموش نَے میں حضورؐ کے عشق کی ایک شورش برپا ہے' (ایک طوفان موجزن ہے)۔ اور میرے سینے میں سینکڑوں نغمے تڑپ رہے ہیں۔' (اور باہر نکلنے کے لیے بیتاب ہیں)۔

★ میں کیسے بتاؤں کہ حضورؐ کے عشق میں میرے دِل کا کیا حال ہے جب کہ ستونِ حنانہ جیسی خشک لکڑی نے بھی آپؐ کی جُدائی میں گریہ وزاری کی۔

★ مسلمانوں کی زِندگی حضورؐ کی تجلّی کا مظہر ہوتی ہے۔ آپ کی گردِ راہ سے قدم قدم پر طور نمایاں ہوتے ہیں۔[1]

★ حضورؐ کے آئینہ نے میرے پیکر کی تخلیق کی۔ آپ ہی کے سینہ کے آفتاب سے میری صبح نمودار ہوئی۔

★ مجھے اپنی پیہم تپش (عشق کے سوز و ساز) میں آرام ملتا ہے۔ عشقِ رسولؐ میں میری شام صبحِ محشر سے بھی زیادہ پُرسوز ہوتی ہے۔

★ حضورؐ کی ذاتِ اقدس ابرِ بہار کی مانند ہے اور میں باغ ہوں۔ اس ابر کی بارش سے باغ اور اس کی تاک (انگور کی بیل) تر و تازہ رہتی ہے۔

★ میں نے حضورؐ کے عشق کی کھیتی میں آنکھیں بوئیں اور ان کے جلوؤں (دیدار) کی فصل کاٹی۔

★ یثرب کی خاک دونوں جہان سے زیادہ دلکش اور خوشتر ہے۔ کتنا مُبارک اور خوش بخت ہے وہ شہر جہاں ہمارا محبوب محوِ خواب ہے۔

---

[1] جس طرح آفتاب کی روشنی سے ذرّے جگمگاتے ہیں' اسی طرح آفتابِ رسالت سے ہستیٔ مسلم روشن اور تابناک ہوتی ہے۔

کشتۂ اندازِ ملا جامیم ۔ نظم و نثرِ او علاجِ خامیم

شعر لبریزِ معانی گفتہ است ۔ در ثنائے خواجہ گوہر سفتہ است

"نسخۂ کونین را دیباچہ اوست

جملہ عالم بندگان و خواجہ اوست"[۱]

کیفیت ہا خیزد از صہبائے عشق ۲ہست ہم تقلید از اسمائے عشق

کاملِ بسطام در تقلید فرد ۳اجتناب از خوردنِ خربوزہ کرد

عاشقی؟ محکم شو از تقلیدِ یار ۴تا کمندِ تو شود یزداں شکار

اندکے اندر حرائے دل نشیں ۔ ترکِ خود کن سوئے حق ہجرت گزیں

محکم از حق شو سوئے خود گام زن ۵لات و عزائے ہوس را سر شکن

---

۱ نسخۂ کونین کا دیباچہ ہیں ۔ سارا عالم بندہ اور وہ خواجہ ہیں

۲ آلِ عمران آیت ۳۱ (۳۱ III) قُلْ اِنْ کُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰهَ فَاتَّبِعُوْنِیْ یُحْبِبْكُمُ اللّٰهُ وَیَغْفِرْ لَكُمْ ذُنُوْبَكُمْ : اے رسول آپ اعلان فرما دیجیے کہ اگر تم اللہ سے محبت کرنا چاہتے ہو تو اس کی صورت یہ ہے کہ میری پیروی (اتباع) کرو۔ اس کا ثمرہ یہ ملے گا کہ خود اللہ تم سے محبت کرنے لگے گا۔ ☆

★ میں فارسی کے مشہور شاعر مولانا جامی کے اندازِ بیان کا دلدادہ ہوں ۔ ان کی نظم و نثر سے میں استفادہ کرتا ہوں اور اپنی خامیاں دور کرتا ہوں ۔

★ ان کے اشعار حسن معانی سے لبریز ہوتے ہیں ۔ انھوں نے حضور صلعم کی مدح میں کیا ہی معنی خیز شعر کہا ہے اور الفاظ کے بیش قیمت موتی پرو دیئے ہیں ۔

★ فرماتے ہیں : حضور پرنور کی ذاتِ اقدس صحیفۂ کائنات کا دیباچہ ہے ۔
ساری کائنات (تمام مخلوقات) حضورؐ کی غلام ہے اور آپؐ سب کے آقا ہیں ۔

★ بادۂ عشق سے عجیب و غریب کیفیتیں پیدا ہوتی ہیں ۔ تقلیدِ رسولؐ یا اتباعِ رسولؐ (شریعت کی پابندی) بھی عشق ہی کا ایک نام ہے ۔

★ عارفِ کامل حضرت بایزید بسطامیؒ شریعت کے اتنے پابند تھے ۔ انھوں نے خربوزہ محض اس لیے نہیں کھایا تھا کہ انھیں یقینی طور پر یہ نہیں معلوم تھا کہ حضورؐ نے یہ پھل کس طرح کھایا تھا ۔

★ اگر تو عاشق ہے تو اپنے محبوب کی اِتباع اور پیروی میں پختگی پیدا کر تاکہ خدا تک تیری رسائی ہو ۔ (تیری کمند یزداں کا شکار کرے)

★ جس طرح حضورؐ غارِ حرا میں قیام فرماتے تھے اسی طرح تو بھی کچھ عرصہ کے لیے دِل کے حرا میں بیٹھ ۔ خود کو ترک کر اور حق کی جانب ہجرت کر ۔ تیرے ہر عمل کا مقصد خدا کی خوشنودی ہو ۔

★ اور جب حق کے ساتھ مکمل محکمی اور استواری پیدا ہو جائے تو پھر اپنی (ذات کی) جانب قدم بڑھا ۔ اور ہوا و ہوس کے لات و منات توڑ دے ۔

☆ ۱؎ حضرت بایزید بسطامیؒ عارف کامل بزرگ تھے ، سلطان العارفین کے لقب سے مشہور ہیں ۔ ایران کا شہر بسطام آپ کا مولد و مدفن ہے ۔ ۲۶۱ ہجری میں آپ کا وصال ہوا ۔ تیسری صدی ہجری کے مشہور مشائخ طریقت میں سے ہیں ۔ زہد و تقویٰ اور اتباعِ شریعت میں آپ کا نام ضرب المثل ہو گیا ہے ۔ آپ اپنے محبوب رسولِ اکرمؐ کی پیروی میں یکتا تھے ۔ ☆☆

لشکرے پیدا کن از سلطانِ عشق	جلوہ گر شو بر سرِ فارانِ عشق

تا خدائے کعبہ بنوازد ترا

شرحِ اِنّی جاعِلٌ سازد ترا

دربیان اینکه خودی از سوال ضعیف میگردد

اے فراہم کردہ از شیراں خراج	گشتۂ روبہ مزاج از احتیاج

خستگی ہائے تو از ناداری است	اصل دردِ تو ہمیں بیماری است

می رباید رفعت از فکرِ بلند	می کشد شمعِ خیالِ ارجمند

از خُمِ ہستی مے گلفام گیر !	نقدِ خود از کیسۂ ایام گیر !

☆☆☆ ؏ بزیرِ کنگرۂ کبریاش مردانند

فرشتہ صید و پیمبر شکار و یزداں گیر (رومی)

در دشتِ جنونِ من جبرئیل زبوں صیدی	یزداں بکمند آور اے ہمتِ مردانہ

(اقبال) ☆☆☆

★ پھر سلطانِ عشق کا لشکر تیار کر (عشق و محبت اور اعلیٰ صفات کا حامل بن) اور پھر عشق کے فاران پر جلوہ گر ہو۔

★ اس کے نتیجے میں خدائے کعبہ تجھے اِنِّیْ جَاعِلٌ [۶] کے بیان کے مطابق اعلیٰ مقام سے سرفراز فرمائے گا اور تیرے سر پر خلافت کا تاج رکھے گا۔

خودی سوال سے ضعیف ہوتی ہے

★ اے مسلمان! ابھی کل ہی کی بات ہے کہ تو نے شیروں سے بھی خراج وصول کیا ہے۔ لیکن آج احتیاج اور تنگدستی نے تجھے روباہ مزاج بنا ڈالا۔ (تیری فطرت لومڑی جیسی ہو گئی ہے)۔

★ ناداری نے تجھے خستہ اور بدحال کر دیا ہے۔ تیرے غم و آلام کی اگر کوئی وجہ ہے تو بس حاجتمندی ہے۔ یہی تیری اصل بیماری ہے۔

★ احتیاج، فکرِ بلند سے رفعتِ پرواز چھین لیتی ہے اور اعلیٰ خیالات کی شمع کو پھونک دیتی ہے۔

★ اے برادر جدّوجہد کر اور میخانۂ ہستی سے بادۂ گلرنگ حاصل کر۔ محنت کر اور زمانے سے (کیسۂ ایام سے) اپنا نقد سرمایہ (اُجرت) وصول کر۔

☆☆☆

[۵] لات، عزّا اور منات کعبہ کے اندر بت تھے۔ سورہ النجم آیت ۱۹ و ۲۰ میں ہے:
اَفَرَءَیْتُمُ اللّٰتَ وَالْعُزّٰی ۵ وَمَنٰوةَ الثَّالِثَةَ الْاُخْرٰی ۵ بھلا تم لوگوں نے لات اور عزّیٰ کو دیکھا اور تیسرے منات کو کہ یہ بُت کہیں خدا ہو سکتے ہیں۔

[۶] سورہ البقرہ آیت ۳۰ میں ہے: قَالَ رَبُّكَ لِلْمَلٰٓئِكَةِ اِنِّیْ جَاعِلٌ فِی الْاَرْضِ ☆☆☆☆

خود فرود آ از شتر مثلِ عمر ؓ | الحذر از منتِ غیر الحذر
تا بکے دریوزۂ منصب کنی | صورتِ طفلاں زنَے مرکب کنی
فطرتے کو بر فلک بندد نظر | پست میگردد ز احسانِ دگر
از سوال آشفتہ اجزائے خودی | بے تجلّی نخلِ سینائے خودی
از سوال افلاس گردد خوار تر | از گدائی گدیہ گر نادار تر
مشتِ خاکِ خویش را از ہم مپاش | مثلِ مہ رزقِ خود از پہلو تراش
گرچہ باشی تنگ روز و تنگ بخت | در رہِ سیلِ بلا افگندہ رخت
رزقِ خویش از نعمتِ دیگر مجو | موجِ آب از چشمۂ خاور مجو
تا نباشی پیشِ پیغمبر خجل | روزِ فردائے کہ باشد جاں گسل

☆☆☆☆ خَلِيفَةً ط قَالُوْٓا .... الخ ۔ اور جب تمھارے پروردگار نے فرشتوں سے فرمایا کہ میں زمین میں اپنا نائب بنانے والا ہوں ۔ انھوں نے کہا کیا تو اس میں ایسے شخص کو نائب بنانا چاہتا ہے جو خرابیاں کرے اور کشت و خون کرتا پھرے اور ہم تیری تعریف کے ساتھ تسبیح و تقدیس کرتے رہتے ہیں ۔ خدا نے فرمایا میں وہ باتیں جانتا ہوں جو تم نہیں جانتے ۔

★ تو حضرت عمرؓ کی طرح خود اونٹ سے نیچے اُتر کر اپنا تازیانہ اُٹھا اور غیر کا اِحسان اُٹھانے سے پرہیز کر۔

★ تو کب تک منصب و مراتب کے لیے اوروں سے بھیک مانگتا رہے گا اور بچوں کی طرح سرکنڈے کے گھوڑے بنا کر کھیلتا رہے گا۔ ان عہدوں کی حقیقت بازیچۂ اطفال سے زیادہ نہیں ہے۔

★ انسانی فطرت جو اپنی نظر آسمانوں پر ڈالتی ہے، (جس کی رفعتِ پرواز افلاک کو بھی خاطر میں نہیں لاتی) وہ غیر کے احسان سے پست ہو جاتی ہے۔

★ دستِ سوال دراز کرنے سے مفلس اور زیادہ ذلیل و خوار ہو جاتا ہے۔ گدائی، گداگر کو اور زیادہ نادار بنا دیتی ہے۔

★ سوال سے انسانی خودی کے مضبوط و محکم اجزا بکھر جاتے ہیں اور اس کا نخلِ طور تجلی سے محروم ہو جاتا ہے۔ (اس کی خودی کی شمع بے نور ہو جاتی ہے)۔

★ لہٰذا تو اپنی مشت خاک اور اپنی خودی کو بکھرنے نہ دے۔ جس طرح چاند اپنا رزق اپنے پہلو کو کاٹ کاٹ کے حاصل کرتا ہے اسی طرح تو اپنی روزی اپنے دستِ محنت سے حاصل کر۔

★ ہر چند تو تنگ دستی اور سینہ بختی کا شکار ہے اور تیرا رختِ حیات (ساز و سامان) سیلاب بلا کی نذر ہو چکا ہے، (تو مصیبتوں میں گھرا ہوا ہے)؛

★ اس کے باوجود تو اپنا رزق غیر کے دستر خوان (نعمت) سے حاصل نہ کر۔ اگر وہ خورشید (شمع نور) بھی ہو تو تو اس سے روشنی (موجِ آب) طلب نہ کر۔

★ تاکہ کل روزِ محشر، جو نہایت ہی جان لیوا ہو گا۔ تجھے حضور اکرمؐ کے سامنے پشیمانی اُٹھانی نہ پڑے۔

ص ۵۶: ۱؎ حاجت سے مجبور مردانِ آزاد کرتی ہے حاجت شیروں کو روباہ

اے طائرِ لاہوتی اس رزق سے موت اچھی جس رزق سے آتی ہے پرواز میں کوتاہی

مومیائی کی گدائی سے تو بہتر ہے شکست مورِ بے پر حاجتے پیشِ سلیمانے مبر

تو توانی کیمیا شو گلِ مشو در جہاں منعم شو و سائل مشو

ماہ را روزی رسد از خوانِ مہر　　داغ بر دل دارد از احسانِ مہر

ہمت از حق خواہ و با گردوں ستیز ¹　　آبروئے ملتِ بیضا مریز

آنکہ خاشاکِ بتاں از کعبہ رُفت　　مردِ کاسب را حبیب اللہ گفت ²

وائے بر منت پذیرِ خوانِ غیر　　گردنش خم گشتہ احسانِ غیر

خویش را از برقِ لطفِ غیر سوخت　　با پشیزے مایۂ غیرت فروخت

اے خنک آں تشنہ کاندر آفتاب　　می نخواہد از خضر یک جام آب

تر جبیں از خجلتِ سائل نشد　　شکلِ آدم ماند و مشتِ گل نشد

زیرِ گردوں آں جوانِ ارجمند　　می رود مثلِ صنوبر سر بلند

در تہی دستی شود خوددار تر　　بختِ او خوابیدہ و او بیدار تر

---

¹ حدیث بیخبراں است تو با زمانہ بساز　　زمانہ با تو نسازد تو با زمانہ ستیز　(اقبال)

² الکاسب حبیب اللہ : جو اپنی محنت سے روزی کماتا ہے وہ اللہ کو محبوب ہوتا ہے۔

★ چونکہ آفتاب کے دستر خوان سے چاند روزی (روشنی) حاصل کرتا ہے۔ اِس لیے اس کے دِل پر آفتاب کے احسان کا داغ لگا ہوا ہے۔

★ اگر زمانہ ساز گار نہیں ہے تو خداوند تعالیٰ سے ہمت و حوصلہ طلب کر اور ظالم آسمان سے ٹکر لے، لیکن دستِ سوال دراز کر کے ملتِ بیضا کو رسوا نہ کر۔

★ وہ پیغمبرؐ جس نے خانۂ کعبہ کو بتوں سے پاک کیا ہے، اُس نے محنت کش انسان کو حبیب اللہ یعنی خدا کا دوست کہا ہے۔

★ افسوس ہے اس پر جو غیر کے دستر خوان کا ممنونِ احسان ہوتا ہے۔ ظاہر ہے کہ احسان کے بوجھ سے اس کی گردن جھکی ہوتی ہے۔

★ ایسا اِنسان غیر کے احسان کی بجلی سے اپنی ذات کو پھونک دیتا ہے اور کوڑیوں کے بدلے اپنی غیرت کا سرمایہ بیچ دیتا ہے۔

★ قابلِ ستائش ہے وہ پیاسا انسان جو آفتاب کی کڑی دھوپ میں شدید پیاس کے باوجود حضرت خضرؑ سے پانی کا پیالہ طلب نہیں کرتا۔

★ ایسا اِنسان سوال کی خجالت سے اپنی پیشانی کو تر نہیں ہونے دیتا وہ اپنی آدمیت (خودی) کو قائم رکھتا ہے۔ اور اسے مشتِ گِل نہیں ہونے دیتا۔

★ ایسا با عزت اور گراں مایہ انسان آسمان کے سائے تلے شمشاد و صنوبر کی طرح سر اُٹھا کر چلتا ہے۔

★ تنگ دستی کے وقت وہ اور بھی زیادہ خوددار بن جاتا ہے۔ اگرچہ اس کا بخت سویا ہوتا ہے لیکن وہ اتنا ہی زیادہ بیدار ہوتا ہے۔

قلزمِ زنبیل سیلِ آتش است　　گر ز دستِ خود رسد شبنم خوش است

چوں حباب از غیرتِ مردانہ باش

ہم بہ بحر اندر نگوں پیمانہ باش ۱؎

در بیان اینکہ چوں خودی از عشق و محبّت محکم میگردد قوائے ظاہرہ و مخفیۂ نظامِ عالم را مسخّر می سازد

از محبت چوں خودی محکم شود　　قوّتش فرماندۂ عالم شود

پیرِ گردوں کز کواکب نقش بست　　غنچہ ہا از شاخسارِ او شکست

پنجۂ او پنجۂ حق می شود ۲؎　　ماہ از انگشتِ او شق می شود

۱؎ تو اگر خود دار ہے منّت کشِ ساقی نہ ہو　　عین دریا میں حباب آسا نگوں پیمانہ کر

تنک بخشی کو استغنا سے پیغامِ خجالت دے　　نہ رہ منّت کشِ شبنم نگوں جام و سبو کر دے (اقبال)

۲؎ معجزہ شق القمر: سورہ قمر کی پہلی آیت: اِقْتَرَبَتِ السَّاعَةُ وَانْشَقَّ الْقَمَرُ ...... الخ۔ قیامت قریب آگئی ہے اور چاند شق ہوگیا۔ ☆☆

★ اگر کوئی بھیک کی جھولی میں (احسان کا) دریا بھی ڈال دے تو وہ آگ کا سیلاب ہے۔ ہاں اگر اپنے دستِ محنت سے ایک قطرہ شبنم بھی حاصل ہو جائے تو وہ موتی کے برابر ہے۔

★ حباب کی طرح اپنی غیرت اور مردانگی کو قائم رکھ۔ جس طرح وہ سمندر میں بھی اپنا پیمانہ الٹ دیتا ہے (نگوں رکھتا ہے) اسی طرح تو بھی کسی کے سامنے دستِ سوال دراز نہ کر۔

جب خودی عشق و محبّت سے مضبوط و محکم ہوتی ہے تو نظامِ عالم کی ظاہری اور مخفی قوّتوں کو مسخّر کرتی ہے۔

★ جب خودی عشق و محبّت سے مضبوط ہو جاتی ہے تو پھر وہ اپنی قوت سے عالم پر حکمرانی کرتی ہے۔

★ آسمانِ پیر نے اپنے گنبد کو تاروں سے سجایا ہے۔ دراصل یہ وہ غنچے ہیں جو خودی کی شاخ سے پھوٹے ہیں۔

★ جس کی خودی کامل ہوتی ہے اس کا ہاتھ اللہ کا ہاتھ بن جاتا ہے اور پھر اُس کی انگلی کے اشارے سے چاند دو ٹکڑے ہو جاتا ہے۔ (شق القمر کے معجزہ کی طرف اشارہ ہے)

☆☆ اور اگر کافر کوئی نشانی دیکھتے ہیں تو منہ پھیر لیتے ہیں اور کہتے ہیں کہ یہ جادو ہے۔

ے ہاتھ ہے اللہ کا بندۂ مومن کا ہاتھ
غالب و کار آفریں کارکشا کارساز
(اقبالؔ)

در خصوماتِ جہاں گردد حَکم ‏ ‏ ‏ ‏ تابعِ فرمانِ او دارا و جم

با تو میگویم حدیثِ بوعلیؒ ‏[1] ‏ ‏ ‏ ‏ در سوادِ ہند نامِ او جلی

آں نوا پیرائے گلزارِ کہن ‏[2] ‏ ‏ ‏ ‏ گفت با ما از گلِ رعنا سخن

خطّۂ ایں جنّتِ آتش نژاد ‏ ‏ ‏ ‏ از ہوائے دامنش مینو سواد

کوچک ابدالش سوئے بازار رفت ‏ ‏ ‏ ‏ از شرابِ بوعلیؒ سرشار رفت

عاملِ آں شہر می آمد سوار ‏ ‏ ‏ ‏ ہم رکابِ او غلام و چوبدار

پیشرو زد بانگ اے ناہوشمند ‏ ‏ ‏ ‏ بر جلو دارانِ عامل رہ مبند

رفت آں درویش سر افگندہ پیش ‏ ‏ ‏ ‏ غوطہ زن اندر یمِ افکارِ خویش

چوبدار از جامِ استکبار مست ‏ ‏ ‏ ‏ بر سرِ درویش چوبِ خود شکست

---

[1] بو علی قلندرؒ: شیخ شرف الدین قلندرؒ ۶۰۵ھ میں پانی پت میں پیدا ہوئے۔ بو علی قلندر کے لقب سے مشہور ہیں۔ علم و فضل میں کمال حاصل تھا۔ ۲۰ سال تک دہلی میں قطب مینار کے قریب درسگاہ میں درس دیا، بعد ازاں جب عشق کے کوچے میں قدم رکھا تو تمام عمر جذب و شوق کی حالت میں گزار دی۔ ۷۲۴ ہجری میں پانی پت میں وفات پائی۔ ☆☆

★ ایسا اِنسان عدل و انصاف کا پیکر بن جاتا ہے اور ثالث بن کر دنیا کے جھگڑے چکاتا ہے اور دارا و جمشید جیسے بادشاہ اُس کی تابعداری کرتے ہیں۔

★ یہاں میں حضرت بو علی قلندرؒ کا ایک واقعہ بیان کرتا ہوں۔ ہندوستان کے مشہور اولیا میں ان کا شمار ہوتا ہے۔

★ وہ اپنے زمانے کے عارفِ کامل تھے اور ریاضِ رسولؐ (گلزارِ قدیم) کے خوشنوا بلبل تھے۔ انھوں نے فارسی مثنوی میں اپنے محبوب (رسولِ مقبولؐ) کی مدح میں خوب نوا سنجیاں کی ہیں۔

★ آتشیں سُورج سے پیدا شدہ زمین کا یہ گرم اور ویران خطہ ان کے دامن کی ہوا سے رشکِ جنّت بن گیا ہے۔

★ ایک دِن اُن کا ایک چہیتا مرید بازار کی طرف جا رہا تھا۔ وہ اپنے مرشد کی محبّت میں اس قدر سرشار تھا کہ اسے اپنے گردوپیش کی کچھ خبر نہ تھی۔

★ اِتفاق سے شہر کے عامل کی سواری سامنے سے آ رہی تھی اور اُس کے آگے پیچھے غلام اور چوبدار چل رہے تھے۔

★ ایک چوبدار نے جو آگے آگے چل رہا تھا اسے دیکھ کر آواز دی کہ اے بے خبر! عامل کی سواری آ رہی ہے۔ ہمارے راستہ سے ہٹ جا۔

★ لیکن وہ درویش اپنے ہی خیالات کے بحر میں غرق تھا۔ وہ اپنی دھن میں سر جُھکائے آگے بڑھتا رہا۔

★ اِدھر چوبدار بھی نخوت و غرور کی شراب میں مست تھا۔ اسے درویش کی حکم عدولی پر بڑا طیش آیا اور اس نے اس کے سر پر لاٹھی دے ماری۔

☆☆ آپ سے بعض مثنویاں اور غزلیں منسوب ہیں۔ عوام کے علاوہ خلجی بادشاہوں کو بھی آپ سے عقیدت تھی۔ ہزاروں بندگانِ خدا نے آپ سے فیض اور ہدایت پائی۔

۲ے حضرت بو علی قلندرؒ کی مثنوی کنزالاسرار کے ابتدائی اشعار حسبِ ذیل ہیں:

مرحبا اے بلبلِ باغِ کہن ازگلِ رعنا بگو با ما سخن ☆☆☆

از رہِ عامل فقیر آزردہ رفت | دلگران و ناخوش و افسردہ رفت

در حضورِ بوعلیؒ فریاد کرد | اشک از زندانِ چشم آزاد کرد

صورتِ برقے کہ بر کہسار ریخت | شیخ سیلِ آتشِ گفتار ریخت

از رگِ جاں آتشِ دیگر کشود | با دبیرِ خویشتن ارشادے نمود

خامہ را برگیر و فرمانے نویس! | از فقیرے سوئے سلطانے نویس!

بندہ ام را عاملت بر سر زدہ است | بر متاعِ جانِ خود اخگر زدہ است

باز گیر ایں عاملِ بد گوہرے | ورنہ بخشم ملکِ تو با دیگرے

نامۂ آں بندۂ حق دستگاہ | لرزہ ہا انداخت در اندامِ شاہ

پیکرش سرمایۂ آلام گشت | زرد مثلِ آفتابِ شام گشت

☆☆☆ مرحبا اے قاصدِ طیّارِ ما

می دہی ہر دم خبر از یارِ ما

★ ستم رسیدہ اور زخمی درویش اس کے راستے سے واپس لوٹا۔ وہ نہایت رنجیدہ، ناخوش اور دل شکستہ تھا۔

★ وہ اپنے مرشد بو علیؒ کے حضور پہنچا اور عامل کے خلاف فریاد کی۔ اس کی آنکھوں سے آنسو جاری ہو گئے۔

★ اس کی بپتا سن کر شیخ کو طیش آگیا اور جس طرح بجلی پہاڑ پر ٹوٹتی ہے، اسی طرح شیخ کی زبان سے آگ کا سیلاب پھوٹ پڑا۔

★ پھر رگِ جان سے ایک اور آگ کا شعلہ نکلا اور شیخ نے اپنے دبیر (منشی) کو حکم دیا۔

★ قلم اُٹھا اور فرمان لکھ۔ ہاں! اس فقیر کی جانب سے سُلطانِ وقت کے نام فرمان قلمبند کر۔

★ لکھ کہ تیرے عامل نے ہمارے خادم کے سر پر لاٹھی چلائی ہے اور اس طرح اُس نے اپنی متاعِ جان اور خرمنِ حیات پر چنگاری ڈالی ہے۔

★ ہمارا حکم ہے کہ اس بدذات اور بدبخت عامل کو فوراً اسیر کر کے سزا دی جائے۔ اگر ایسا نہیں کیا گیا تو تیرا مُلک کسی اور کے حوالے کر دیا جائے گا۔

★ جب بو علی قلندرؒ کا رقعہ جو بندۂ حق اور مظہرِ قدرت تھے، بادشاہ کے پاس پہنچا تو اسے پڑھ کر اس کے جسم پر لرزہ طاری ہو گیا۔

★ وہ سرتاپا غم میں ڈوب گیا اور اس کا رنگ شام کے سورج کی طرح زرد پڑ گیا۔

بہرِ عاملِ حلقۂ زنجیر جست　　　　از قلندر عفوِ ایں تقصیر جست

خسروِ شیریں زبانِ رنگیں بیاں [1]　　　　نغمہ ہائش از ضمیرِ کن فکاں

فطرتش روشن مثالِ ماہتاب　　　　گشت از بہرِ سفارت انتخاب

چنگ را پیشِ قلندر چوں نواخت　　　　از نوائے شیشۂ جانش گداخت

شوکتے کو پختہ چوں کہسار بود　　　　قیمتِ یک نغمۂ گفتار بود

نیشتر بر قلبِ درویشاں مزن

خویش را در آتشِ سوزاں مزن

---

[1] امیر خسرو ۱۲۵۲ء میں اودھ کے ایک قصبہ پٹیالہ میں پیدا ہوئے۔ ۱۳۲۵ء میں دہلی میں انتقال فرمایا اور اپنے محبوب پیر خواجہ نظام الدین اولیاء کے پائنتی مدفون ہوئے۔ امیر خسرو بلاشبہ اپنے زمانے کے عظیم ترین، دلاویز اور جامع کمالات شخص تھے۔ وہ ایک عظیم شاعر، عظیم فنکار اور صوفی تھے۔ ۷۲ برس کی زندگی میں پانچ بادشاہوں کے درباری رہے۔

★ اُس نے فوراً اس عامل کو زنجیروں میں جکڑنے کا حکم صادر کیا اور قلندر سے اپنی تقصیر کی معافی کا خواستگار ہوا۔ (عامل = گورنر، حاکم)

★ اس نے معافی نامہ قلندر تک پہنچانے کے لیے امیر خسرو جیسے رنگیں بیاں اور شیریں زبان شاعر کو سفیر کی حیثیت سے منتخب کیا۔

★ وہ شاعر جس کا ضمیر اور جس کا دِل آفتاب کی طرح روشن تھا اور جس کے نغمے اسرارِ الٰہی (ضمیر کن فکاں) کے ترجمان تھے۔

★ جب امیر خسرو نے بو علی قلندر کے حضور چنگ پر غزل سرائی شروع کی تو اسے سن کر قلندر کا شیشہء دِل پگھل اُٹھا۔

★ شاعر نے قلندر کی شوکت و ہیبت کو جو پہاڑ کے مانند سخت تھی۔ ایک غزل کی نغمہ سرائی سے لطف و کرم میں بدل دیا، یعنی قلندر کا غیظ و غضب سے بھرا دل نرم پڑ گیا!

★ لہٰذا کبھی کسی درویش کامل کے دِل کو صدمہ نہ پہنچاؤ۔ (دِل پر نشتر نہ چلاؤ) اور خود کو بھڑکی ہوئی آگ میں نہ ڈالو۔[1]

●●

☆☆ پانچ فرمائشوں پر پانچ بے مثال مثنویاں لکھیں، یکے بعد دیگرے پانچ فارسی دیوان مرتب کیے۔ نظامی کے خمسہ کے جواب میں اخلاقی اور افسانوی مضامین کی پانچ مثنویوں کا لاجواب خمسہ مکمل کیا، جس میں ۹۰۰،۷ اشعر ہیں۔ انھوں نے بیک وقت پانچ زبانوں میں طبع آزمائی کی جن میں تنہا فارسی کے کم و بیش پانچ لاکھ شعر چھوڑے۔ (خسرو شناسی)

حکایت دریں معنی کہ مسئلۂ نفیِ خودی از مخترعات اقوامِ مغلوبۂ بنی نوع انسان است کہ بایں طریق مخفی اخلاقِ اقوامِ غالبہ را ضعیف می سازند

آں شنیدستی کہ در عہدِ قدیم
گوسفنداں در علف زارے مقیم

از وفورِ کاہ نسل افزا بُدند
فارغ از اندیشۂ اعدا بُدند

آخر از ناسازیِ تقدیرِ میش
گشت از تیرِ بلائے سینہ ریش

شیرہا از بیشہ سر بیروں زدند
بر علف زارِ بُزاں شبخوں زدند

جذب و استیلا شعارِ قوّت است
فتح رازِ آشکارِ قوّت است

ص ۶۹ ا ے ہیچ قومے را خدا رسوا نہ کرد
تا دلِ صاحبدلے نامد بدرد

نفئ خودی کا مسئلہ بنی آدم کی مغلوب قوموں کی ایجاد ہے، جو بڑی چالاکی اور خاموشی سے اقوامِ غالب کے اخلاق و کردار کو ضعیف و کمزور بناتی ہیں

★ تو نے یہ قصہ سنا ہوگا کہ قدیم زمانے میں ایک چراگاہ میں بھیڑ بکریاں رہتی تھیں۔

★ اس چراگاہ میں چارے اور گھاس کی فراوانی تھی۔ جس سے بھیڑوں کی نسل خوب بڑھ رہی تھی اور وہ دشمنوں (درندوں) کے خوف سے محفوظ فراغت کی زندگی بسر کر رہی تھیں۔

★ اچانک ان کی تقدیر نے پلٹا کھایا۔ ان کی شومئ قسمت سے غیب سے ایک تیرِ بلا چھوٹا جس نے اُن کے سینوں کو چھلنی کر دیا۔

★ یعنی اچانک جنگل سے اس طرف شیر نکل آئے اور انھوں نے بھیڑوں کے سبزہ زار پر شبخون مارا (حملہ کیا)۔

★ کمزوروں پر غلبہ پانا اور قبضہ کرنا طاقتوروں کی فطرت ہوتی ہے۔ حملہ کرنا اور فتح پانا قوت کا کھلا راز ہے۔

شیرِ نر کوسِ شہنشاہی نواخت	میش را از حرّیت محروم ساخت

بسکہ از شیراں نیابد جز شکار	سرخ شد از خونِ میش آں مرغزار

گوسفندے زیرکے فہمیدۂ	کہنہ سالے گرگِ باراں دیدۂ

تنگ دل از روزگارِ قومِ خویش	از ستم ہائے ہژبراں سینہ ریش

شکوہ ہا از گردشِ تقدیر کرد	کارِ خود را محکم از تدبیر کرد

بہرِ حفظِ خویش مردِ ناتواں	حیلہ ہا جوید ز عقلِ کارداں

در غلامی از پےِ دفعِ ضرر	قوّتِ تدبیر گردد تیز تر

پختہ چوں گردد جنونِ انتقام	فتنہ اندیشی کند عقلِ غلام

گفت با خود عقدۂ ما مشکل است	قلزمِ غمہائے ما بے ساحل است

★ آخر شیروں نے اپنی بادشاہت کا اعلان کر دیا۔ (نوبت بجائی) اور چراگاہ کی بھیڑوں کو آزادی سے محروم کر دیا۔

★ چونکہ شکار کرنا شیر کی فطرت ہے، لہٰذا چراگاہ بھیڑوں کے خون سے سُرخ ہونے لگی۔

★ اس مرغزار کے جانوروں میں ایک گوسفند (بکرا) تھا۔ وہ بڑا ہی ذہین، عمر رسیدہ اور تجربہ کار تھا۔ زمانے کے نشیب و فراز دیکھ چکا تھا۔

★ وہ اپنی قوم کی المناک زندگی سے بہت ہی غمزدہ اور دل گرفتہ تھا۔ شیروں کے ظلم و ستم نے اس کا سینہ چھلنی کر دیا تھا۔

★ اس کی زبان پر گردشِ تقدیر کے شکوے تھے لہٰذا اس نے ان کے خلاف ایک منصوبہ بنایا اور اسے تدبیر کے ذریعے کارگر بنایا۔

★ کمزور اِنسان اپنی حفاظت کی خاطر اپنی تجربہ کار اور چالاک عقل کو کام میں لا کر نت نئے حیلے تراشتا ہے۔

★ بالخصوص غلامی میں خطروں سے بچنے کے لیے اس کی تدبیریں سوچنے والی قوّت اور بھی زیادہ تیز ہو جاتی ہے اور اس کا مدبّر ذہن بچاؤ کی تدبیریں کرتا ہے۔

★ جب انتقام کا جنون شدید ہو جاتا ہے تو غلام کی عقل نت نئے فتنے برپا کرنے کے منصوبے بناتی ہے۔

★ لہٰذا اس گوسفند نے دِل میں سوچا کہ یہ مسئلہ بڑا ہی مشکل اور یہ عقدہ بڑا ہی پیچیدہ ہے۔ ہمارے غم کے سمندر کا کوئی ساحل ہی نظر نہیں آتا۔

میش نتواند بزور از شیر رست ؎۱ سیم ساعد ما و او پولاد دست

نیست ممکن کز کمالِ وعظ و پند خوئے گرگی آفرید گوسفند

شیر نر را میش کردن ممکن است غافلش از خویش کردن ممکن است

صاحبِ آوازۂ الہام گشت واعظِ شیرانِ خوں آشام گشت

نعرہ زد اے قوم کذّابٌ اَشِرْ ؎۲ بے خبر از یَوْمِ نَحْسٍ مُّسْتَمِرْ

مایہ دار از قوّتِ روحانیم بہرِ شیراں مُرسلِ یزدانیم

دیدۂ بے نور را نور آمدم صاحبِ دستور و مامور آمدم

توبہ از اعمالِ نامحمود کن اے زیاں اندیش فکرِ سود کن

ہر کہ باشد تند و زور آور شقی است زندگی مستحکم از نفیٔ خودی است

؎۱ ہر کہ با فولاد بازو پنجہ کرد ساعدِ سیمینِ خود را رنجہ کرد (سعدی)

؎۲ سورۃ القمر آیت ۱۹: اِنَّآ اَرْسَلْنَا عَلَيْهِمْ رِيْحًا صَرْصَرًا فِيْ يَوْمِ نَحْسٍ مُّسْتَمِرٍّ ۙ

ہم نے ان پر سخت منحوس دن میں آندھی چلائی ، (عاد نے بھی تکذیب کی تھی سو دیکھ لو کہ میرا عذاب اور ڈرانا کیسا ہوا)۔

☆☆☆

★ بھیڑ بکری میں اتنی طاقت کہاں کہ شیر کا مقابلہ کر سکے اور طاقت کے بل بوتے پر نجات حاصل کر سکے۔ بالخصوص جب کہ ہمارے بازو چاندی کے ہیں اور ان کے بازو فولاد کے ہیں۔

★ اور پھر یہ بھی ممکن نہیں کہ وعظ و پند کے ذریعے بھیڑوں میں بھیڑیوں کی خُو پیدا ہو۔ لاکھ وعظ و پند کے باوجود بکری میں شیری پیدا نہیں ہو سکتی۔

★ ہاں یہ ممکن ہے کہ شیروں میں میش کی سی خُو بُو پیدا ہو جائے اور انھیں اپنی ذات اور صفات سے بیگانہ کر دیا جائے۔

★ پس اس گوسفند نے اپنے پیغمبر ہونے اور صاحبِ الہام ہونے کا اعلان کیا' اور ان خونخوار شیروں کو وعظ و پند دینے لگا۔

★ اس نے ان سے خطاب کرتے ہوئے کہا کہ اے درندو! تمھاری قوم بڑی جھوٹی اور خود پسند ہے اور اس دن سے بے خبر ہے جب خدا کا عذاب آندھی بن کر نازل ہو گا۔

★ میں روحانی قوتوں کا مالک ہوں اور میں شیروں کے لیے پیغمبر بنا کر بھیجا گیا ہوں۔ (خدا نے مجھے روحانی قوتیں عطا کی ہیں اور تمھاری ہدایت کے لیے پیغمبر بنایا گیا ہوں)

★ میں بے نور آنکھوں کے لیے نور بن کر آیا ہوں۔ میں تمھارے لیے دستورِ حیات (شریعت) لے کر آیا ہوں۔ خدا نے مجھے تمھاری ہدایت کے لیے مامور کیا ہے۔

★ اے زیاں کارو! تم ہمیشہ خسارے کے کام کرتے رہے ہو۔ کچھ تو اپنی بھلائی اور بہبودی کی فکر کرو اور بُرے کاموں سے توبہ کرو۔

★ جو شخص تند مزاج اور زور آور ہوتا ہے وہ بڑا ہی بدبخت ہوتا ہے۔ سچ پوچھو تو زندگی کی پائیداری' نفیٔ خودی اور ترکِ ذات میں ہے۔

☆☆ اسی سورہ کی آیات ۲۵، ۲۶ میں ہے: ءَأُلْقِيَ الذِّكْرُ عَلَيْهِ مِنْ بَيْنِنَا بَلْ هُوَ كَذَّابٌ أَشِرٌ ۝ سَيَعْلَمُونَ غَدًا مَنِ الْكَذَّابُ الْأَشِرُ کیا ہم سب میں سے اسی پر وحی نازل ہوئی ہے؟ نہیں، بلکہ یہ جھوٹا خود پسند ہے۔ ان کو کل ہی معلوم ہو جائے گا کہ کون جھوٹا اور خود پسند ہے۔

روحِ نیکاں از علف یا بد غذا ۱؎ تارکِ اللحم است مقبولِ خدا

تیزیٔ دنداں ترا رسوا کند ۲؎ دیدۂ ادراک را اعمیٰ کند

جنّت از بہرِ ضعیفاں است و بس ۳؎ قوّت از اسبابِ خسراں است و بس

جستجوئے عظمت و سطوت شر است تنگدستی از امارت خوشتر است

برقِ سوزاں در کمینِ دانہ نیست دانہ گر خرمن شود فرزانہ نیست

ذرّہ شو، صحرا مشو گر عاقلی تا ز نورِ آفتابے برخوری

اے کہ می نازی بذبحِ گوسفند ذبح کن خود را کہ باشی ارجمند

زندگی را می کند ناپایدار جبر و قہر و انتقام و اقتدار

سبزہ پامال است و روید بار بار خوابِ مرگ از دیدہ شوید بار بار

۱؎ تارک اللحم : گوشت کا تارک

۲؎ اعمیٰ : اندھا

۳؎ خسران : گھاٹا، خسارہ

★ نیک روحیں اپنی غذا کے لیے گھاس پات پسند کرتی ہیں' جو گوشت خوری ترک کرتا ہے وہ خدا کی نظر میں مقبول ہوتا ہے۔

★ یہ تمھارے تیز اور خونخوار دانت ہی تمھاری رسوائی کا باعث ہیں۔ یہ عقل کو (دیدۂ ہوش کو) اندھا کر دیتے ہیں۔

★ جنّت کمزوروں کے لیے ہوتی ہے' زورآوروں کے لیے نہیں۔ زور' قوت اور طاقت میں خسارہ ہی خسارہ ہے۔

★ شان وشوکت اور جاہ و جلال کی طلب خیر نہیں بلکہ شر ہے۔ امیری سے فقیری بدرجہا بہتر ہے۔ (دولتمندی سے تنگدستی بہتر ہے)

★ دانہ جب تک دانہ رہتا ہے بجلی اس کی گھات میں نہیں رہتی لیکن جب وہ نادانی سے خرمن بنتا ہے تب اس پر بجلی ٹوٹتی ہے۔

★ اگر تم عقلمند ہو تو ذرّہ بنے رہو' صحرانہ بنو۔ ذرّہ بنے رہو گے تو آفتاب کے نور سے فیض حاصل کر سکو گے یعنی اس کے نور سے چمکنے لگو گے۔

★ تم بے بس بھیڑوں کو ذبح کر کے فخر کرتے ہو۔ خود کو ذبح کرو (نفیٔ خودی کرو) تاکہ تمھیں بلندی وارجمندی حاصل ہو۔

★ جبر و قہر اور انتقام و اقتدار ایسی مذموم صفات ہیں جو زندگی کو کمزور اور ناپائیدار بناتی ہیں۔

★ سبزے کی مثال لو۔ اگرچہ وہ لوگوں کے پاؤں سے پامال ہوتا رہتا ہے پھر بھی باربار پیدا ہوتا ہے' وہ اپنی آنکھوں سے موت کی نیند کو دھو ڈالتا ہے اور زندہ رہتا ہے۔[1]

---

[1] پامالی اسے ختم نہیں کرتی بلکہ زندہ رہنے کی قوت عطا کرتی ہے۔

غافل از خود شو اگر فرزانۂ | گر ز خود غافل نہ ای دیوانۂ
چشم بند و گوش بند و لب ببند | تا رسد فکرِ تو بر چرخِ بلند
ایں علف زارِ جہاں ہیچ است ہیچ | تو بریں موہوم اے ناداں مپیچ
خیلِ شیر از سخت کوشی خستہ بود | دل بذوقِ تن پرستی بستہ بود
آمدش ایں پندِ خواب آور پسند | خورد از خامی فسونِ گوسفند
آنکہ کردے گوسفنداں را شکار | کرد دینِ گوسفندی اختیار
با پلنگاں سازگار آمد علف | گشت آخر گوہرِ شیری خزف
از علف آں تیزیٔ دنداں نماند | ہیبتِ چشمِ شرر افشاں نماند
دل بتدریج از میانِ سینہ رفت | جوہرِ آئینہ از آئینہ رفت

شاعر بھی ہیں پیدا علما بھی حکما بھی
خالی نہیں قوموں کی غلامی کا زمانہ
مقصد ہے ان اللہ کے بندوں کا مگر ایک
ہر ایک ہے گو شرح معانی میں یگانہ ☆☆

★ اگر تم عقلمند ہو تو اپنی ہستی سے غافل ہو جاؤ۔ اگر تم اپنی ذات سے غافل نہیں ہو تو سمجھ لو کہ تم دیوانے ہو۔

★ اپنی آنکھیں، اپنے کان اور اپنے لب بند کر لو تاکہ تمھاری فکر آسمان کی بلندیوں کو چھو لے۔

★ یہ دنیا کا علف زار (مرغزار، چراگاہ) ہیچ اور بے مقدار ہے۔ لہٰذا ایسی موہوم (خیالی اور ناکارہ) شے پر فریفتہ ہونا نادانی ہے۔

★ شیروں کا گروہ بھی شکار کے سلسلے میں شب و روز کی سخت کوشی اور محنت و مشقت سے تنگ آچکا تھا اور ان کے دل بھی آرام اور تن آسانی کی جانب مائل تھے۔

★ لہٰذا ان کو گوسفند کے خواب آور پند و نصائح پسند آنے لگے اور نادانی کی وجہ سے اس کی باتوں کا جادو چل گیا۔

★ نتیجہ یہ ہوا کہ جو گوسفندوں کا شکار کرتے تھے انھوں نے گوسفندوں کا مسلک اختیار کیا اور ان کے طریقے پر چلنے لگے۔

★ اب شیروں کو گھاس بات موافق آنے لگا اور ان کا شیرانہ گوہر (جوہر) خزف ریزہ (ٹھیکرا) بن کر رہ گیا، (اب وہ گھاس کھانے لگے اور ان کی شیری میشی میں بدل گئی)۔

★ گھاس کھانے کی وجہ سے ان کے دانتوں کی تیزی اور سختی جاتی رہی اور ان کی شعلہ بار آنکھوں کی ہیبت زائل ہو گئی۔

★ آہستہ آہستہ اُن کے سینوں سے ہمت اور حوصلوں سے بھرے ہوئے دل کمزور ہوتے گئے۔ (ان کی شیر دلی جاتی رہی) گویا آئینوں سے آئینوں کا جوہر جاتا رہا۔

☆☆ بہتر ہے کہ شیروں کو سکھا دیں رم آہو
باقی نہ رہے شیر کی شیری کا فسانہ
کرتے ہیں غلاموں کو غلامی پہ رضا مند
تاویلِ مسائل کو بناتے ہیں بہانہ

آں جنونِ کوششِ کامل نماند　　آں تقاضائے عمل در دل نماند

اقتدار و عزم و استقلال رفت　　اعتبار و عزّت و اقبال رفت

پنجہ ہائے آہنیں بے زور شد　　مردہ شد دلہا و تنہا گور شد

زورِ تن کاہید و خوفِ جاں فزود　　خوفِ جاں سرمایۂ ہمّت ربود

صد مرض پیدا شد از بے ہمّتی　　کوتہ دستی، بیدلی، دوں فطرتی

شیرِ بیدار از فسونِ میش خفت
انحطاطِ خویش را تہذیب گفت

دورِ حاضر ہے حقیقت میں وہی عہدِ قدیم
اہلِ سجّادہ ہیں یا اہلِ سیاست ہیں امام
اس میں پیری کی کرامت ہے نہ میری کا ہے زور
سینکڑوں صدیوں سے خوگر ہیں غلامی کے عوام ☆

★ اب اُن میں شکار کی جد وجہد کا جنون (جذبۂ کامل) نہ رہا۔ ان کے دِلوں میں سعیٔ و عمل کا جوش نہ رہا۔

★ اقتدار و اختیار، عزم و عمل، استقلال و پامردی سب جاتے رہے اور اس کے نتیجے میں اعتبار و اعتماد، عزت و توقیر، عظمت اور اقبال مندی سب کالعدم ہو گئے۔

★ ان کے فولادی پنجے بے زور ہو گئے۔ ان کے دِل مردہ ہو گئے اور ان کے تن، ان کے مردہ دلوں کے لیے مزار بن گئے۔

★ جسموں کا زور گھٹ گیا اور جانوں کا خوف بڑھ گیا اور جان کے خوف نے متاعِ ہمّت چھین لی۔ جو شیرِ دل تھے وہ بزدل بن گئے۔

★ اب بے ہمتی اور بزدلی کی وجہ سے ان میں سینکڑوں بیماریاں (مذموم صفات اور خرابیاں) پیدا ہو گئیں۔ مثلاً نارسائی، یاس و حرماں، سفلہ پن اور کمینگی وغیرہ۔

★ گوسفند کی جادوگری سے ہوشیار شیر خوابِ غفلت کا شکار ہو گئے اور اپنے انحطاط اور زوال کو تہذیب کے نام سے موسوم کرنے لگے۔

●●

☆ خواجگی میں کوئی مشکل نہیں رہتی باقی
پختہ ہو جاتے ہیں جب خوئے غلامی میں غلام

در معنی اینکه افلاطونِ یونانی که تصوّف و ادبیاتِ اقوامِ اسلامیّہ از افکارِ او اثرِ عظیم پذیرفته بر مسلکِ گوسفندی رفته است و از تخیّلات او احتراز واجب است۔

راہبِ دیرینہ افلاطوں حکیم[۱] — از گروهِ گوسفندانِ قدیم
رخشِ او در ظلمتِ معقول گم — در کہستانِ وجود افگنده سم
آنچناں افسونِ نامحسوس خورد — اعتبار از دست و چشم و گوش برد
گفت سرِّ زندگی در مُردن است — شمع را صد جلوه از افسردن است

---

۱ حکیم افلاطون ۴۲۷ ق.م میں بمقام ایتھنز (یونان) میں پیدا ہوا اور ۳۴۷ ق.م میں وفات پائی۔ وہ علم و فضل کا بحرِ ذخار تھا۔ اور سقراط جیسے عظیم فلسفیوں کا شاگردِ رشید تھا جسے اہلِ ایتھنز نے اس الزام میں (زہر پینے کی) سزائے موت دی کہ وہ نوجوانوں کو آزاد خیالی کی تعلیم دے کر گمراہ کر رہا ہے۔
افلاطون نے اپنے استاد کی تعلیمات کو جاری رکھا۔ اس نے ایک دارالعلوم ☆☆

افلاطونِ یونانی جس کے افکار نے اِسلامی تصوّف اور ادبیات کو بہت زیادہ متاثر کیا ہے، دراصل گوسفندی مسلک کا علمبردار تھا۔ اس کے افکار و خیالات سے احتراز واجب ہے۔

★ حکیم افلاطون جسے قدیم زمانے کا راہب (تارک الدنیا درویش) کہنا چاہیے۔ دراصل گوسفندوں کے گروہ سے تعلق رکھتا تھا۔

★ اس کا گھوڑا معقولات (عقل پرستی اور فلسفیانہ پیچیدگیوں) کی تاریکی میں گم ہو کر رہ گیا اور وجود (دنیا۔ عالمِ محسوسات) کی سنگلاخ زمین پر چلنے سے عاجز ہو کر رہ گیا ہے

★ اس پر نامحسوسات (عالمِ مثال۔ اعیانِ نامشہود) کا کچھ ایسا جادو چلا کہ وہ حواسِ خمسہ (دست و چشم، گوش ولب وغیرہ) کے احساسات کا منکر ہو گیا۔

★ اس نے کہا کہ زندگی کا راز فنا میں (مرجانے میں) مضمر ہے۔ شمع کے گل ہونے پر ہی سینکڑوں جلوے نمایاں ہوتے ہیں۔ (اس نے فنا کی تعلیم دی اور دنیا کو سراسر فریب تصور کیا)۔

☆☆ قائم کیا جو اکیڈمی کے نام سے مشہور ہوا۔ اس کی کئی تصانیف مکالمات کی شکل میں ہیں۔ ان میں سے ریاست (Republic) کو شہرتِ دوام حاصل ہے۔ افلاطون کی شہرت رہتی دنیا تک قائم رہے گی۔ مشہور مقولہ ہے کہ افلاطون فلسفہ ہے اور فلسفہ افلاطون ہے۔ اس کے مکالمات آج بھی فلسفہ کی تعلیمات کا اٹوٹ حصہ ہیں۔ اقبالؔ بھی افلاطون کی عظمت کے قائل ہیں۔ ☆☆☆

بر تخیلہائے ما فرماں رواست ؎ جامِ او خواب آور و گیتی رباست

گوسفندے در لباسِ آدم است حکمِ او بر جانِ صوفی محکم است

عقلِ خود را بر سرِ گردوں رساند عالمِ اسباب را افسانہ خواند

کارِ او تحلیلِ اجزائے حیات قطعِ شاخِ سروِ رعنائے حیات

فکرِ افلاطوں زیاں را سود گفت حکمتِ او بود را نابود گفت

فطرتش خوابید و خوابے آفرید چشمِ ہوشِ او سرابے آفرید

بسکہ از ذوقِ عمل محروم بود جانِ او وارفتۂ معدوم بود

منکرِ ہنگامۂ موجود گشت ؎ خالقِ اعیانِ نامشہود گشت

زندہ جاں را عالمِ امکاں خوش است مردہ دل را عالمِ اعیاں خوش است

☆☆☆ لیکن انھیں اس کے بعض نظریات سے شدید اختلاف ہے، بالخصوص افلاطون کے نظریۂ کائنات کو اقبال گمراہ کن تصور کرتے ہیں۔ افلاطون ویدانتی اور بدھی فیلسوفوں کی طرح کائنات کو غیر حقیقی تصور کرتا ہے۔ اس کی نظر میں خارجی دنیا جو محسوسات کی دنیا ہے محض وہم و خیال ہے، دھوکا اور فریبِ نظر ہے، مایا ہے۔

★ ہمارے ذہنوں پر افلاطون اور اس کے تصورات چھائے ہوئے ہیں۔ اس کے جام کی شراب خواب آور، گیتی ربا اور گیتی گریز ہے یعنی وہ دنیا سے فرار کی تعلیم دیتا ہے۔

★ وہ انسان کے لباس میں گوسفند ہے۔ وہ صوفی کے دل و جان پر حکمرانی کر رہا ہے۔ (وہ دنیا کو فریب نظر کہتا ہے، عجمی تصوف پر ان ہی تصورات کی گہری چھاپ ہے)۔

★ اس کی پروازِ فکر آسمان پر جا پہنچی ہے۔ لیکن اس نے عالمِ اسباب یعنی دنیا کو افسانہ یعنی خیالی اور غیر حقیقی بتایا ہے۔ (گویا دنیا حقیقت یا ظل یا سایہ ہے' مایا ہے)

★ حیات کے اجزا کی تخریب (ان کے ٹکڑے کرنا) ہی اس کا شیوہ تھا۔ گلشنِ حیات کے سرورِ رعنا کی شاخیں کاٹ کر رکھ دینا ہی اس کا مقصود تھا۔

★ افلاطون کی فکر نے زیاں کو سود اور نفع کو نقصان کہا۔ اس کی حکمت (فلسفہ) نے موجود کو ناموجود اور ہست کو نیست کہا۔

★ اس کی خوابیدہ فطرت اور مجہول ذہن نے ایک خواب کو جنم دیا اور اس کے ہوش کی آنکھوں نے ایک سراب کو عالمِ وجود میں لایا۔

★ چونکہ وہ ذوقِ عمل سے محروم تھا اس لیے اس کا دل نیستی اور عدم[ا] کا وارفتہ ہوگیا۔ اور وہ دنیا کی جگہ عالمِ مثال' حیات کی بجائے فنا اور جہدِ حیات کی بجائے فرار کا قائل ہوگیا۔

★ وہ موجود دنیا اور اس کے ہنگاموں کا منکر ہوگیا اور اس نے عالمِ اسباب کی بجائے عالمِ مثال یا اعیانِ نامشہود یا صورِ علمیہ (Ideas) کا فلسفہ ایجاد کیا۔

★ جو زندہ دل ہوتے ہیں وہ عالمِ اسباب کی حقیقت کے قائل ہوتے ہیں اور جو مردہ دل ہوتے ہیں وہ عالمِ مثال' اعیانِ نامشہود' صورِ علمیہ کے قائل ہوتے ہیں۔

ص۸۳ ا۔ لہٰذا وہ دنیا کو خیالی اور عالمِ مثال کو حقیقی دُنیا تصور کرنے لگا۔

ص۸۳ ا۔ ہستی کے مت فریب میں آجائیو اسد — عالم تمام حلقۂ دامِ خیال ہے (غالب)

ہاں کھائیو مت فریبِ ہستی — ہر چند کہیں کہ ہے، نہیں ہے ،،

ہے غیب غیب جس کو سمجھتے ہیں ہم شہود — ہیں خواب میں ہنوز جو جاگے ہیں خواب میں ،،

آہوش بے بہرہ از لطفِ خرام | لذّتِ رفتار بر کبکش حرام
شبنمش از طاقتِ رم بے نصیب | طائرش را سینہ از دم بے نصیب
ذوقِ روئیدن ندارد دانہ اش | از تپیدن بے خبر پروانہ اش
راہبِ ما چارہ غیر از رم نداشت | طاقتِ غوغائے ایں عالم نداشت
دل بسوزِ شعلۂ افسردہ بست | نقشِ آں دنیائے افیوں خوردہ بست
از نشیمن سوئے گردوں پر کشود | باز سوئے آشیاں نامد فرود
در خمِ گردوں خیالِ او گم است | من ندانم دُرد یا خشتِ خُم است

توم ہا از سُکرِ او مسموم گشت
خفت و از ذوقِ عمل محروم گشت

★ ایسے منکر کی دنیا کا آہو لطفِ خرام سے محروم ہوتا ہے اور اس کے کبک پر رفتار کی لذّت حرام ہو جاتی ہے۔ گویا اس کے ماننے والے زندگی کے ہنگاموں سے کنارہ کش ہو جاتے ہیں۔

★ اس کے گلشن کی شبنم حرکت اور تبخیر سے بیگانہ ہے اور اس کے باغ کا طائر نغمہ سرائی سے محروم ہے۔

★ اس کے کشت زار کے دانے میں اُگنے کا ذوق ناپید ہے اور اس کا پروانہ تپش سے ناآشنا ہے۔

★ چونکہ ہمارا یہ راہب عالمِ وجود کے ہنگاموں کے مقابلے کی تاب نہیں رکھتا تھا۔ لہٰذا اس کے لیے زندگی سے راہِ فرار کے علاوہ اور کوئی چارہ نہ تھا۔

★ اُس نے ایک بجھے ہوئے شعلے سے اپنا دل لگایا اور ایک ایسی دنیا کا نقشہ پیش کیا جو افیون کھا کر مدہوش تھی۔

★ جب اس کے طائرِ فکر نے اپنے نشیمن (فرشِ زمین) سے آسمان کی جانب پرواز کی تو پھر وہ اپنے نشیمن کی جانب واپس نہیں آیا۔

★ پس گردوں کے خم میں اس کا تخیّل گم ہو کر رہ گیا ہے۔ میں نہیں جانتا کہ وہ اس خم کی اینٹ بنا ہوا ہے یا تلچھٹ۔

★ اس نے قوموں کو (فلسفہ کی) ایسی شراب پلائی کہ اس کا زہر ان کی رگ و پے میں سرایت کر گیا اور وہ مدہوش ہو کر سو گئیں اور ذوقِ عمل سے محروم ہو کر تباہ ہو گئیں۔

در حقیقتِ شعر و اصلاحِ ادبیاتِ اسلامیہ

گرم خوں انساں ز داغِ آرزو ‌ ‌ ‌ آتش ایں خاک از چراغِ آرزو

از تمنا مے بجام آمد حیات ‌ ‌ ‌ گرم خیز و تیز گام آمد حیات

زندگی مضمونِ تسخیر است و بس ‌ ‌ ‌ [1] آرزو افسونِ تسخیر است و بس

زندگی صید افگن و دامِ آرزو ‌ ‌ ‌ حسن را از عشق پیغامِ آرزو

از چہ رو خیزد تمنا دمبدم ‌ ‌ ‌ ایں نوائے زندگی را زیر و بم

ہر چہ باشد خوب و زیبا و جمیل ‌ ‌ ‌ [2] در بیابانِ طلب ما را دلیل

نقشِ او محکم نشیند در دلت ‌ ‌ ‌ آرزوہا آفریند در دلت

حسنِ خلاقِ بہارِ آرزوست ‌ ‌ ‌ جلوہ اش پروردگارِ آرزوست

---

[1] سورۃ الجاثیہ آیت ۱۳: وَسَخَّرَ لَكُمْ مَّا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ جَمِيْعًا مِّنْهُ ط اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّقَوْمٍ يَّتَفَكَّرُوْنَ ۝
اور جو کچھ آسمانوں میں ہے اور جو کچھ زمین میں ہے سب کو اپنے حکم سے تمھارے لیے مطیع کر دیا ہے۔ جو لوگ غور کرتے ہیں ان کے لیے اس میں قدرتِ خدا کی نشانیاں ہیں۔
اس آیت اور اس قسم کی دیگر آیات میں انسان کو باخبر کیا گیا ہے کہ وہ سب کچھ جو ☆☆

شعرو اصلاح ادبیاتِ اسلامیہ

★ آرزو کے سوز (داغ) سے انسان کی شریانوں میں گرم خون دوڑتا ہے۔ آرزو کے چراغ سے مشتِ خاک آگ بن جاتی ہے؛ روشن ہو جاتی ہے۔

★ آرزو ہی کی بدولت حیات کا ساغر شراب سے بھر جاتا ہے اور زندگی گرم جوش (سرگرم عمل) اور تیز رفتار ہو جاتی ہے۔

★ زندگی کا موضوع و مقصود ہی تسخیر ہے اور آرزو تسخیر کا افسون ہے۔ آرزو وہ منتر ہے جس سے کام لے کر انسان تمام کائنات کو مسخر کر سکتا ہے۔

★ زندگی صیّاد ہے اور آرزو اس کا دام ہے۔ آرزو ہی پیغامِ عشق بن کر حُسن کے حضور پہنچتی ہے۔

★ وہ کیا سبب ہے کہ جس کی وجہ سے بحر کی موجوں کی طرح تمنّا مسلسل پیدا ہوتی رہتی ہے، اور زندگی کے نغموں میں زیر و بم پیدا کرتی ہے۔

★ جو بھی شے خوب، خوشنما اور حسین و جمیل ہوتی ہے ہماری دلکشی کا باعث بنتی ہے۔ اور بیابانِ طلب میں ہماری رہبری کرتی ہے۔

★ اس کا نقش ہمارے دل پر مضبوطی سے بیٹھ جاتا ہے اور دل میں آرزوئیں پیدا کرتا رہتا ہے۔

★ دراصل حُسن ہی خلّاقِ آرزو ہے۔ اِسی سے آرزو پر بہار آتی ہے۔ اس کا جلوہ آرزوؤں کا پروردگار یا خالق ہوتا ہے۔

☆☆ آسمانوں اور زمین میں ہے ان پر انسان قبضہ کرنے کی صلاحیت رکھتا ہے اور اس طرح انسان کی تمام صلاحیتیں بیدار کی گئی ہیں۔

۲؎ سورہ کہف آیت ۷: اِنَّا جَعَلْنَا مَا عَلَى الْاَرْضِ زِيْنَةً لَّهَا لِنَبْلُوَهُمْ اَيُّهُمْ اَحْسَنُ عَمَلًا ؕ جو چیز زمین پر ہے ہم نے اس کو زمین کے لیے آرائش بنایا ہے تاکہ لوگوں کی آزمائش کریں کہ ان میں کون اچھے عمل کرنے والا ہے۔

سینۂ شاعر تجلی زارِ حسن　　خیزد از سینای او انوارِ حسن

از نگاہش خوب گردد خوب تر　　فطرت از افسونِ او محبوب تر

از دمش بلبل نوا آموخت است　　غازہ اش رخسارِ گل افروخت است

سوزِ او اندر دلِ پروانہ ہا　　عشق را رنگیں از و افسانہ ہا

بحر و بر پوشیدہ در آب و گلش　　صد جہانِ تازہ مضمر در دلش

در دماغش نادمیدہ لالہ ہا　　ناشنیدہ نغمہ با ہم نالہ ہا

فکرِ او با ماہ و انجم ہم نشیں　　زشت را نا آشنا خوب آفریں

خضر و در ظلماتِ او آبِ حیات　　زندہ تر از آبِ چشمش کائنات

ما گراں سیریم و خام و سادہ ایم[1]　　در رہِ منزل زپا افتادہ ایم

---

[1] اقبال شاعرِ حیات ہے۔ اس کے نزدیک سچا آرٹ زندگی کی خدمت ہے۔ وہ محض تفننِ طبع کے لیے شعر نہیں کہتا بلکہ اعلیٰ مقاصد کے لیے ایک وسیلہ تلاش کرتا ہے۔ اگر کوئی آرٹسٹ زندگی کو فراوانی اور فروغ نہیں بخشتا، اگر اس سے حقائقِ حیات کے الجھے ہوئے تار نہیں سلجھتے تو وہ آرٹ بے معنی اور مہمل ہے، اس کا کوئی مصرف نہیں۔ (روحِ اقبال)

★ شاعر کا سینہ حسن کی جلوہ گاہ یا تجلّی زار ہوتا ہے۔ اس کے طورِ دِل سے حسن کے جلوے نمایاں ہوتے ہیں۔

★ اس کی نگاہ خوب کو خوب تر بنا دیتی ہے اور اس کے جادو (افسون) سے فطرت اور زیادہ دلکش نظر آتی ہے۔

★ اسی کے نغموں سے بلبل نے نغمہ سرائی سیکھی ہے اور اس کی غازہ آرائی نے چہرۂ گل کو اور زیادہ چمکا دیا ہے۔

★ شاعر کے سوز سے پروانوں کے دِل میں سوز پیدا ہوتا ہے اور اس کی فسوں کاری سے عشق کی داستان رنگین بن جاتی ہے۔

★ اس کے آب و گل میں (اس کی مُشتِ خاک میں) بحروبر پوشیدہ ہیں۔ اس کے دِل میں سینکڑوں نئے جہاں خوابیدہ ہیں' (جو ابھی عدم سے وجود میں نہیں آئے)۔

★ اس کے دماغ میں کتنے ہی (ان کِھلے) لالہ زار ہیں جو اب تک پیدا نہیں ہوئے اور کتنے ہی (ان سُنے) نغمے اور نالے ہیں جو آفرینش کے منتظر ہیں جن سے کان ناآشنا ہیں۔

★ اس کی فکر آسمانوں کی سیر کرتی ہے اور چاند تاروں کی ہم نشین ہوتی ہے۔ وہ برائیوں سے ناآشنا ہوتی ہے اور اچھائیوں کی خلاق ہوتی ہے۔

★ شاعر اپنے زمانے کا خضر ہوتا ہے اور اس کی مشتِ خاک (ظلمات) میں آبِ حیات ہوتا ہے۔ اس کے آنسوؤں سے کائنات میں زِندگی کی نئی لہر دوڑ جاتی ہے۔

★ ہم کہ سست رفتار' خام کار اور سادہ دل ہیں' جب بھی منزل کی راہ میں تھک کر گر پڑتے ہیں اور ہمّت کھو بیٹھتے ہیں.......

عندلیبِ او نوا پرداخت است — حیلۂ از بہرِ ما انداخت است

تا کشد ما را بفردوسِ حیات — حلقۂ کامل شود قوسِ حیات

کاروانہا از درایش گام زن — در پئے آواز نایش گام زن

چون نسیمش در ریاضِ ما وزد — نرمک اندر لالہ و گل می خزد

از فریبِ او خود افزا زندگی — خود حساب و ناشکیبا زندگی

اہلِ عالم را صلا بر خوان کند
آتشِ خود را چو باد ارزاں کند

وائے قومے کز اجل گیرد برات — شاعرش وابوسد از ذوقِ حیات[1]

خوش نماید زشت را آئینہ اش — در جگر صد نشتر از نوشینہ اش

---

[1] اے اہلِ نظر ذوقِ نظر خوب ہے لیکن — جو شے کی حقیقت کو نہ دیکھے وہ نظر کیا
مقصودِ ہنر سوزِ حیاتِ ابدی ہے — یہ ایک نفس یا دو نفس مثلِ شرر کیا
جس سے دلِ دریا متلاطم نہیں ہوتا — اے قطرۂ نیساں وہ صدف کیا وہ گہر کیا (اقبال)

☆☆

★ تو اس کا عندلیب (نغمہ سرا دل) پُرجوش نغمے الاپتا ہے اور اس طرح حیلے اور تدبیر سے ہمارے حوصلے بڑھا کر ہمیں منزل کی جانب گامزن کرتا ہے۔
تاکہ ہم زندگی کی فردوس (منزلِ مقصود) تک پہنچ جائیں اور ہماری زندگی کی قوس ایک مکمل دائرے کی شکل اختیار کر لے؛ ہماری ناتمام زندگی پایۂ تکمیل کو پہنچ جائے۔

★ اس کی بانگِ درا، آوازِ جرس سے کارواں اپنے قدم آگے بڑھاتے ہیں اور اس کی نَے کے دلکش نغمے (آوازِ نَے) کے پیچھے گامزن ہو جاتے ہیں۔

★ جب اس کی نسیمِ جانفزا ہمارے گلشن میں چلتی ہے اور لالہ و گل کے تختوں میں خوش خرامیاں کرتی ہے۔

★ تو اس کی افسوں گری سے زندگی اپنی تکمیل و ترقی کے لیے مستعد ہو جاتی ہے۔ وہ خود کا جائزہ لیتی ہے، اور منزلِ ترقی پر پہنچنے کے لیے بے چین ہو جاتی ہے۔

★ ایسا شاعر دنیا والوں کو صلائے عام دیتا ہے اور اپنا دستر خوان سب کے لیے بچھا دیتا ہے۔ وہ اپنے سینے کی آگ کو ہوا کی طرح ارزاں کر دیتا ہے، یعنی اپنے کلام سے عام زندگی میں حرکت پیدا کر دیتا ہے۔

★ افسوس اس قوم پر جو موت کو اپنا مددگار اور مسیحا سمجھتی ہے اور اس کے شاعر پر جو ذوقِ حیات سے روگردانی کرتا ہے اور زندگی سے فرار کی تعلیم دیتا ہے۔

★ اس کا آئینہ کلام ناخوب کو خوب اور عیب کو حسن بنا کر پیش کرتا ہے اور اس کا نوشیدہ (یعنی رنگین کلام) پینے والے کے جگر میں سو نشتر چبھوتا ہے۔

☆☆ شاعر کی نوا ہو کہ مغنّی کا نفس ہو | جس سے چمن افسردہ ہو وہ بادِ سحر کیا
بے معجزہ دنیا میں اُبھرتی نہیں قومیں | جو ضربِ کلیمی نہیں رکھتا وہ ہنر کیا

(اقبال)

بوسهٔ او تازگی از گل برد — ذوقِ پرواز از دلِ بلبل برد

سست اعصابِ تو از افیونِ او — زندگانی قیمتِ مضمونِ او

می رباید ذوقِ رعنائی ز سرو — جرّه شاهین از دمِ سردش تذرو

ماهی و از سینه تا سر آدم است — چون بناتِ آشیان اندر یم است

از نوا بر ناخدا افسون زند — کشتی اش در قعرِ دریا افگند

نغمه هایش از دلت دزدد ثبات — مرگ را از سحرِ او دانی حیات

دایهٔ هستی ز جانِ تو برد — لعلِ عنّابی ز کانِ تو برد

چون زیان پیرایه بندد سود را — می کند مذموم هر محمود را

در یمِ اندیشه اندازد ترا — از عمل بیگانه می سازد ترا

★ جب وہ پھول کو چومتا ہے تو اس کا بوسہ پھول سے تازگی اور شگفتگی چھین لیتا ہے۔ جس سے بلبل کے دل سے پرواز کی اُمنگ غائب ہو جاتی ہے۔

★ اس کے افکار کی افیون قوم کے اعصاب کو سست بنا دیتی ہے اور اس کے مضمون کی قیمت انسانی جان ہوتی ہے یعنی اس کا کلام زندگی کے لیے ہلاکت آفریں ہوتا ہے۔

★ وہ سروسے رعنائی کا ذوق چھین لیتا ہے۔ اس کے دمِ سرد یعنی سرد نغموں سے شاہین تذرو (چکور) بن جاتا ہے۔ قوم کے حوصلے پست ہو جاتے ہیں۔ ۱؎

★ اس کی مثال ان جل پریوں جیسی ہے جن کا نصف جسم عورت جیسا اور نصف جسم مچھلی جیسا ہوتا ہے۔ جنھیں بنات البحر (SIREN) کہتے ہیں۔

★ اور جو اپنے سحر انگیز نغموں سے ملاّحوں پر جادو کر کے انھیں اپنی جانب متوجہ کرتی ہیں اور پھر ان کی کشتیوں کو سمندر میں غرق کر دیتی ہیں۔

★ ایسے شاعر کا نغمہ دلوں سے حوصلہ اور پامردی چھین لیتا ہے اور لوگ اس کے جادو کے زیرِ اثر موت کو زندگی سمجھنے لگتے ہیں۔

★ ایسا شاعر قوم کے دِل سے زندگی کی خواہش اور جہد و عمل کا جذبہ چھین لیتا ہے؛ اور اس کے کان کو لعل و جواہر سے محروم کر دیتا ہے۔

★ جب وہ نفع کو نقصان اور سود کو زیاں کی شکل میں پیش کرتا ہے تو ہر اچھی شے بُری اور ہر محمود شے مذموم نظر آنے لگتی ہے۔

★ اس طرح وہ لوگوں کو وسوسوں کے سمندر میں جھونک دیتا ہے اور انھیں جہد و عمل سے بیگانہ بنا دیتا ہے۔ ایسا شاعر قوم کے حق میں موت کا پیغام بن جاتا ہے۔

۱؎ اور شیر دل بزدل ہو جاتے ہیں۔

خستۂ ما از کلامش خستہ تر　　　انجمن از دورِ جامش خستہ تر

جوئے برقے نیست در نیسانِ او　　　یک سراب رنگ و بو بستانِ او

حسنِ اُو را با صداقت کار نیست　　　لے در نمیش جز گوہر تف دار نیست

خواب را خوشتر ز بیداری شمرد　　　آتشِ ما از نفسہایش فسرد

قلبِ مسموم از سرودِ بُلبلش　　　خفتہ مارے زیر انبارِ گُلش

از خم و مینا و جامش الحذر

از مئے آیئنہ فامش الحذر

اے ز پا افتادۂ صہبائے او　　　صبح تو از مشرقِ مینائے او

اے دِلت از نغمہ ہایش سرد جوش　　　زہرِ قاتل خوردۂ از راہِ گوش

لے شعر میں حقیقی حسن صداقت کی وجہ سے پیدا ہوتا ہے اور اس میں کوئی شک نہیں ہے کہ صداقت ہی اصل حسن ہے۔ بالفاظ دیگر حسن، صداقت ہی کا دوسرا نام ہے۔ انگریزی کے جواں مرگ شاعر کیٹس نے کیا خوب کہا ہے" صداقت ہی حسن ہے اور حسن صداقت ہی کا دوسرا نام ہے، اور انسان کا منتہائے علم اس کے سوا کچھ نہیں کہ وہ اس حقیقت سے آگاہ ہو جائے۔

☆☆

★ وہ جو افسردہ اور مُردہ دل ہوتا ہے اور ہم اس کے کلام سے اور زیادہ افسردہ حال ہو جاتے ہیں۔ اس کے پیمانے کی گردش سے ساری انجمن پژمردہ اور بے رونق ہو جاتی ہے۔

★ اس کے ابرِ بہار میں بجلیاں نہیں لہرائیں اور اس کا گلشن دراصل رنگ و بو کا سراب ہوتا ہے۔

★ اس کے حُسنِ کلام کو صداقت سے کوئی تعلق نہیں ہوتا یعنی وہ جھوٹی شاعری کرتا ہے اور اس کے سمندر کے موتی ناقص اور بے قیمت ہوتے ہیں۔

★ ایسا شاعر خواب کو بیداری سے بہتر تصور کرتا ہے۔ اس کے انفاس ہمارے سینے کی آگ کو سرد کر دیتے ہیں۔

★ اس کے بُلبُل کے نغمے ہمارے دِلوں میں زہر گھو لتے ہیں۔ اس کا کلام بظاہر پھولوں کا انبار ہوتا ہے لیکن اس انبار کے نیچے سانپ خوابیدہ ہوتے ہیں۔

★ لہٰذا ایسے شاعر کے خم اور جام و مینا سے پرہیز کرنا چاہیے اور اس کی آئینے کی طرح صاف و شفاف نظر آنے والی شراب سے اجتناب کرنا چاہیے۔

★ اے ہمدم! (اے میری قوم) تجھے اس کی شراب نے پچھاڑ رکھا ہے۔ صبح ہوتے ہی تو پہلے اس کی شراب کا جام اٹھاتا ہے، گویا تیری صبح اس کے جام کے خورشید سے روشن ہوتی ہے۔

★ اس کے نغموں نے تیرے دِل کے جوش و خروش کو سرد کر ڈالا ہے۔ تو نے اس کے کلام کا مہلک زہر اپنے کانوں سے انڈیل کر سارے جسم کو مسموم کر ڈالا ہے۔

Truth is beauty and beauty truth .... ☆☆

اے دلیلِ انحطاط اندازِ تو　　　　از نوا افتاد تارِ سازِ تو

آں چناں زار از تن آسانی شدی　　　　در جہاں ننگِ مسلمانی شدی

از رگِ گل میتواں بستن ترا　　　　از نسیمے میتواں خستن ترا

عشق رسوا گشتہ از فریادِ تو　　　　[1] زشت رو تمثالش از بہزادِ تو

زرد از آزارِ تو رخسارِ او　　　　سردیٔ تو بردہ سوز از نارِ او

خستہ جاں از خستہ جانیہائے تو　　　　ناتواں از ناتوانیہائے تو

گریۂ طفلانہ در پیمانہ اش　　　　کلفتِ آہے متاعِ خانہ اش

سرخوش از دریوزۂ میخانہ ہا　　　　جلوہ دزدِ روزنِ کاشانہ ہا

ناخوشے افسردۂ آزردۂ　　　　از لکدکوبِ نگہباں مردۂ

---

[1] عشق و مستی کا جنازہ ہے تخیل ان کا　　　　ان کے اندیشۂ تاریک میں قوموں کے مزار
چشمِ آدم سے چھپاتے ہیں مقاماتِ بلند　　　　کرتے ہیں روح کو خوابیدہ بدن کو بیدار
ہند کے شاعر و صورت گر و افسانہ نویس　　　　آہ بیچاروں کے اعصاب پہ عورت ہے سوار
(اقبالؔ)

★ لہٰذا تیرے ہر انداز سے زوال اور انحطاط کا پتہ چلتا ہے ۔ تیرے ساز کے تار خراب ہو چکے ہیں ، (ڈھیلے پڑ چکے ہیں) اور نوا پیدا کرنے سے قاصر ہیں ۔

★ تن آسانی اور آرام طلبی نے تجھے اس قدر ناتواں اور ناکارہ بنا دیا ہے کہ تو دنیا میں " ننگِ مسلم ، ننگِ ملت ، ننگِ دین " بن کر رہ گیا ہے ۔

★ تیری ناتوانی کا اب یہ عالم ہے کہ تجھے رگِ گل سے بھی باندھا جا سکتا ہے اور نسیمِ سحر کا جھونکا تیرے لیے دردِ سر بن سکتا ہے ، تجھے نڈھال کر سکتا ہے ۔

★ تیرے نالوں نے عشق کو رسوا کر دیا ۔ تیرے بہزاد کے نقش بھی بھونڈے ہیں ۔ تو نے بوالہوسی کو عشق کا نام دے رکھا ہے ۔ تیری طرح شاعر اور مصور بھی پست خیال ہیں[1]

★ تیرے دکھ درد کو دیکھ کر تیرے شاعر کا چہرہ بھی زرد پڑ گیا ہے ۔ تیری سرد مہری اور بے توجہی نے اس کی آگ سے تپش چھین لی ہے اور اس کے آتشیں نغمے بجھ سے گئے ہیں ۔

★ تیری مردہ دلی اور خستہ حالی نے اسے اور بھی خستہ جان بنا ڈالا ہے اور تیری ناتوانیوں نے اسے اور بھی ناتواں بنا ڈالا ہے ۔

★ وہ بھی بچوں کی طرح روتا ہے لہٰذا اس کے پیمانے میں آنسوؤں کے سوا کچھ نہیں ہے ۔ اس کے گھر کی متاع فقط سرد آہیں ہیں ۔

★ وہ اپنی مستی کے لیے شراب خانوں سے شراب کی بھیک مانگتا ہے اور کاشانوں (مکانوں) کے روزنوں اور جھروکوں سے جلوے چراتا ہے ۔

★ وہ ہمیشہ ناخوش ، افسردہ اور دل شکستہ رہتا ہے اور قصر و ایوان کے نگہبانوں اور دربانوں کی ٹھوکروں سے نیم جان رہتا ہے ۔

---

[1] لہٰذا عشق و محبت سے متعلق ان کے نقش ، ان کی تصویریں بھی بھونڈی ہیں ۔

از غماں مانندِ نَے کاہیدۂ   وز فلک صد شکوہ برلب چیدۂ

لا بہ و کیں جوہرِ آئینہ اش   ناتوانی ہمدمِ دیرینہ اش

پست بخت و زیر دست و دوں نہاد   نا سزا و نا اُمید و نا مُراد

شیونش از جانِ تو سرمایہ بُرد   لطفِ خواب از دیدۂ ہمسایہ بُرد

وائے بر عشقے کہ نارِ او فسُرد
در حرم زائیدہ و بُتخانہ مُرد[1]

اے میانِ کیسہ ات نقدِ سخن   بر عیارِ زندگی اورا بزن

فکرِ روشن بیں عمل را رہبر است   چوں درخشِ برق پیش از تندر است

فکرِ صالح در ادب می بایدت   رجعتے سوئے عرب می بایدت

---

[1] بجھی عشق کی آگ اندھیر ہے
مسلماں نہیں راکھ کا ڈھیر ہے (اقبال)

★ غموں کی وجہ سے وہ سوکھ کر (کانٹا یا) بانسری بن چکا ہے اور بانسری کی طرح اس کے لبوں پر آسمان کے خلاف سینکڑوں گلے اور شکوے ہیں۔

★ خوشامد، چاپلوسی اور حسد و کینہ اس کے آئینۂ فطرت کے جوہر ہیں اور ناکسی اور ناتوانی اس کے دیرینہ ساتھی ہیں۔

★ وہ سیہ بخت ہے، فطرتاً پست، ناتواں اور ذلیل و خوار ہے۔ وہ ناکارہ، نااُمید اور نامُراد ہے۔

★ اس کے نالوں نے تیری جان کو پریشان کر رکھا ہے اور ہمسائے کو لطفِ خواب سے محروم کر کے اس کی نیندیں حرام کر دی ہیں۔

★ افسوس ہے اس عشق پر جس کی آگ بجھ گئی ہے۔
جو حرم میں پیدا ہوا ہو اور صنم کدے میں آ کر مرا ہو۔

★ اے میرے ہمدم! تو اگر شاعر ہے اور تیرے کیسہ میں نقدِ سخن ہے تو اس کو زندگی کی کسوٹی پر کس کر اور پرکھ کر دیکھ لے۔

★ جس طرح بادل کے گرجنے برسنے سے پہلے بجلی چمکتی ہے، اسی طرح دیدہ ور کی فکرِ روشن عمل کی رہبری کرتی ہے۔ لوگوں کی رہبری کر کے ان کو عمل پر آمادہ کرتی ہے۔

★ تیرے شعر و ادب میں فکرِ صالح (حقیقت اور صداقت) کی کارفرمائی ہونی چاہیے۔ اِس کے لیے تجھے عرب کی جانب رُخ کرنا چاہیے۔ [1]

---

[1] تجھے عرب کے شعراء کا کلام دیکھنا چاہیے اور اس سے استفادہ کرنا چاہیے۔

دل بہ سلمائے عرب باید سپُرد [1] | تا دمد صبحِ حجاز از شام کُرد

از چمن زارِ عجم گُل چیدۂ | نوبہارِ ہند و ایراں دیدۂ

اندکے از گرمیٔ صحرا بخور | بادۂ دیرینہ از خرما بخور

سر یکے اندر برِ گرمش بدہ | تن دمے با صرصرِ گرمش بدہ

مدّتے غلطیدۂ اندر حریر | خو بہ کرپاسِ درشتے ہم بگیر

قرنہا بر لالہ پا کوبیدۂ | عارض از شبنم چو گل شوئیدۂ

خویش را بر ریگِ سوزاں ہم بزن | غوطہ اندر چشمۂ زمزم بزن

مثلِ بلبل ذوقِ شیون تا کجا | در چمن زاراں نشیمن تا کجا

اے ہما از یمنِ دامت ارجمند | آشیانے ساز بر کوہِ بلند

---

[1] سلمیٰ : ادبیاتِ عرب میں معشوقہ کا نام۔

صبحِ حجاز : کہا جاتا ہے کہ ایک سادہ لوح کرد چند عالموں کے پاس پہنچا اور کہا کہ تصوّف کے بارے میں رہنمائی فرمایئے۔

انھوں نے اس کی سادہ لوحی دیکھ کر مذاقاً کہا کہ اپنے پاؤں رسّی سے باندھ کر ☆☆

★ اور عرب کی سلمیٰ سے دل لگانا اور دل دینا چاہیے۔ تاکہ کردستان کی شام سے حجاز کی صبح نمودار ہو۔ (حجازی شعرگوئی کا انداز اپنانا چاہیے جو مبالغہ آرائی سے پاک ہوتا تھا)۔ لے

★ تو نے آج تک عجم (فارس) کے چمن زاروں سے پھول چنے ہیں اور ہند اور ایران کی بہاروں سے لطف اندوز ہوتا رہا ہے۔

★ اب کچھ عرصہ کے لیے صحرائے عرب کی گرمی کا بھی مزہ چکھ اور خرما کی پرانی شراب سے کیف اٹھا۔

★ صحرا کی گرم آغوش میں اپنا سر رکھ یعنی صحرانوردی کر اور کچھ دیر کے لیے اپنے تن کو اس کی گرم و تند آندھیوں کے حوالے کر۔

★ تو ایک عرصہ تک ریشم و کمخواب کے لباس میں اینڈتا پھرتا رہا ہے۔ اب کچھ عرصہ کے لیے کپاس کے موٹے جھوٹے کپڑے پہننے کی عادت ڈال۔

★ تو صدیوں تک لالہ زاروں میں گھومتا پھرتا اور رقص کرتا رہا اور پھولوں کی طرح شبنم سے اپنا منہ دھوتا رہا۔

★ اب کچھ دن صحرا کی گرم ریگ پر بھی چل کر دیکھ اور زمزم کے چشمے میں بھی غوطے لگا۔ (ان تمام اشعار میں عجمیت کو چھوڑ کر عربیت کا انداز اختیار کرنے کی دعوت دی گئی ہے)

★ تو کب تک بلبل کی طرح نالہ و شیون کرتا رہے گا اور کب تک چمن زاروں میں اپنا نشیمن بناتا رہے گا۔

★ اے ہم نفس تیرے دام میں پھنسنے کی برکت سے ہما کا بھی اقبال بلند ہوتا ہے اور وہ ارجمند (بلند مرتبہ) بن جاتا ہے۔ لہٰذا تجھے اپنا آشیانہ بلند پہاڑ پر بنانا چاہیے۔

☆☆ چھت سے اُلٹا لٹک جانا اور فلاں ورد پڑھتے رہنا۔ کرد نے گھر جا کر ایسا ہی کیا۔ خدا نے اس کے خلوص کی برکت سے ایک ہی رات میں اسے ولایت سے سرفراز فرمایا۔ صبح کے وقت اس نے کہا کہ میں شام کو کرد تھا اور صبح اٹھا تو عرب بن گیا۔

آشیانے برق و تندر در برے　　　از کنامِ جرّہ بازاں برترے

تا شوی در خوردِ پیکارِ حیات

جسم و جانت سوزد از نارِ حیات

در بیان این کہ تربیتِ خودی را سہ مراحل است مرحلۂ اوّل را اطاعت و مرحلۂ دوّم را ضبطِ نفس و مرحلۂ سوم را نیابتِ الٰہی نامیدہ اند

مرحلۂ اوّل اطاعت

خدمت و محنت شعارِ اشتر است　　　صبر و استقلال کارِ اشتر است

★ ایسا آشیانہ جو بازوں اور عقابوں کے نشیمن سے بھی بلند ہو اور جس کے پہلو میں بادل گرجیں اور بجلیاں لہرائیں۔

★ تاکہ تو پیکارِ حیات (زندگی کی کشاکش اور جدوجہد) کے قابل بن جائے اور تیرے جسم و جان زندگی کی آنچ میں تپ کر کندن بن جائیں۔

تربیتِ خودی کے تین مرحلے ہیں

مرحلۂ اوّل کو اطاعت، مرحلۂ دوّم کو ضبطِ نفس اور مرحلۂ سوّم کو نیابتِ الٰہی کا نام دیا گیا ہے۔

پہلا مرحلہ۔ اطاعت

★ خدمت اور محنت کرنا اونٹ کا شعار (عادت و خصلت) ہے اور صبر و استقلال اس کی فطرت ہے۔

کاروان را زورقِ صحراستے ^ا^ گامِ او در راہ کم غوغاستے
کم خور و کم خواب و محنت پیشۂ نقشِ پایش قسمتِ ہر بیشۂ
پائے کوباں سوئے منزل می رود مستِ زیرِ بارِ محمل می رود
در سفر صابر تر از اسوارِ خویش سر خود از کیفیتِ رفتارِ خویش
برخوری از عِندہٗ حسن المآب“ ^۲^ تو ہم از بارِ فرائض سر متاب
می شود از جبر پیدا اختیار در اطاعت کوش اے غفلت شعار
آتش ار باشد ز طغیاں خس شود ناکس از فرماں پذیری کس شود
خویش را زنجیریٔ آئیں کند ^۳^ ہر کہ تسخیرِ مہ و پرویں کند
قید بُو را نافۂ آہو کند باد را زنداں گُلِ خوشبو کند

ا اونٹ کو بے آب وگیاہ صحرا میں کئی کئی منزلیں چلنا پڑتا ہے، لہٰذا قدرت نے اسے محنت و مشقت، صبر و استقلال جیسی صفات سے نوازا ہے۔ وہ کئی کئی دن چارے اور پانی کے بغیر گزارا کر لیتا ہے، لہٰذا اونٹ ہی ایک ایسا جانور ہے جو صحرائی سفر کے لیے موزوں ہے۔ اسی لیے اس کو صحرا کا جہاز کہتے ہیں۔

★ وہ کسی شور و شر کے بغیر خاموشی سے راستہ چلتا رہتا ہے (قدرت نے اس کے پاؤں بھی چوڑے بنائے ہیں جن سے آواز پیدا نہیں ہوتی) دراصل وہ صحرائی کشتی ہے۔

★ ہر صحرا اور بیابان میں اس کے نقشِ قدم پہنچتے ہیں۔ (عام طور پر صحرا میں اونٹ ہی کو سفر کے کام میں لایا جاتا ہے) وہ کم خور، کم خواب اور محنت کش جانور ہے۔

★ وہ کجاوے (محمل) کے بوجھ تلے مستانہ وار قدم بڑھاتا ہے اور اپنی منزل کی جانب خوش خرامیاں کرتا چلا جاتا ہے۔

★ وہ اپنی ہی رفتار کی کیفیت سے مست ہو جاتا ہے۔ گویا اس کی خوش خرامی ہی اسے سرشار بنا دیتی ہے اور وہ دورانِ سفر میں اپنے سوار سے بھی زیادہ صبر و ضبط کا مظاہرہ کرتا ہے۔

★ لہٰذا اے میرے ہمدم، اونٹ کی زندگی سے سبق حاصل کر اور اپنے فرائض کا بار اٹھانے سے منہ نہ موڑ۔ شریعت کی اطاعت کو اپنا شعار بنا۔ عِندہٗ حسن المآب کے مطابق خدا تجھے اس کا ثمر عطا کرے[1]۔

★ اے غافل! خلوصِ دل سے اطاعت کر اور وفاداری اور مستقل مزاجی سے فرائض انجام دے۔ اس طرح جب تو اپنی ذات پر جبر کرے گا تو اس کے نتیجے میں تیرا جبر اختیار میں بدل جائے گا۔

★ فرماں پذیری اور احکام الٰہی کی پابندی ادنیٰ انسان کو اعلیٰ انسان بنا دیتی ہے۔ اس کے برعکس سرکشی اور نافرمانی آگ کو بھی خس و خاشاک میں بدل کر رکھ دیتی ہے۔

★ جو بھی چاند اور ثریّا کی تسخیر کرتا ہے وہ پہلے خود کو آئین کا پابند بناتا ہے۔ (چاند کی تسخیر کرنے والوں نے پہلے قوانینِ قدرت کی پابندی کی تب کہیں جا کر وہ چاند پر پہنچے)[2]۔

★ ہوا پھول کے زنداں میں رہ کر خوشبو بنتی ہے۔ اسی طرح بو ہرن کی ناف میں مقیّد ہوتی ہے تب کہیں مشک نافہ بنتی ہے۔

---

[1] آلِ عمران: آیت ۱۴: زُيِّنَ لِلنَّاسِ حُبُّ الشَّهَوَاتِ .... الدُّنْيَا ۖ وَاللَّهُ عِندَهُ حُسْنُ الْمَآبِ ۝ لوگوں کو ان کی خواہشوں کی چیزیں یعنی عورتیں اور بیٹے اور سونے چاندی کے ڈھیر اور نشان لگے ہوئے گھوڑے اور مویشی اور کھیتی یہ سب باتیں بڑی زینت دار معلوم ہوتی ہیں مگر یہ سب دنیا ہی کی زندگی کے سامان ہیں اور خدا کے پاس بہت اچھا ٹھکانہ ہے۔

☆☆☆

می زند اختر سوئے منزل قدم | پیشِ آئینے سرِ تسلیم خم
سبزہ بر دینِ نمو روئیدہ است | پایمال از ترکِ آں گردیدہ است
لالہ پیہم سوختن قانونِ او | بر جہد اندر رگِ او خونِ او
قطرہ ہا دریاست از آئینِ وصل | ذرّہ ہا صحراست از آئینِ وصل
باطنِ ہر شے ز آئینے قوی | تو چرا غافل ازیں ساماں روی
باز اے آزادِ دستورِ قدیم | زینتِ پا کن ہماں زنجیرِ سیم

شکوہ سنجِ سختیِ آئیں مشو
از حدودِ مصطفیٰؐ بیروں مرو

☆☆ دہر میں عیشِ دوام آئیں کی پابندی سے ہے | موج کو آزادیاں سامانِ شیون ہو گئیں
ہیں جذبِ باہمی سے قائم نظام سارے | پوشیدہ ہے یہ نکتہ تاروں کی زندگی میں

★ آسمان میں تارے منزل کی طرف گامزن ہوتے ہیں لیکن وہ پہلے قوانینِ قدرت کے پابند ہوتے ہیں اور آئین کے سامنے سرِ تسلیم خم کرتے ہیں۔

★ نشو و نما کے اصولوں پر چل کر ہی سبزہ اُگتا اور پروان چڑھتا ہے لیکن جب بھی اُس نے اُصولوں کو ترک کیا ہے وہ پامال اور برباد ہوا ہے۔

★ بہیم جلنا اور پر سوز رہنا لالے کا اُصول اور اس کی فطرت ہے اس لیے اس کی شریانوں میں اس کا آتشیں خون گردش کرتا رہتا ہے۔

★ باہمی جذب و وصل کے قانون پر چل کر قطرے دریا بن جاتے ہیں اور ذرے صحرا کی شکل اختیار کر لیتے ہیں۔

★ الغرض ہر شئے کا باطن آئین (ضابطے) کی پابندی سے قوی بنتا ہے پھر تو کیوں ان اصولوں سے غافل ہو کر راہ حیات طے کرتا ہے۔

★ اے ہمدم! تو اپنے دستورِ قدیم (اسلام کے اصول اور اتباعِ رسول ؐ) سے کیوں بے نیاز اور آزاد ہے؟ اس رویّے کو ترک کر اور ازسرِ نو نقرئی زنجیر کو اپنے پاؤں کی زینت بنا۔

★ یہ شکایت نہ کر کہ ان قوانین کی پابندی سخت اور مشکل ہے۔ یہ تمام حدود اور پابندیاں حضرت محمد مصطفیٰ ؐ کی قائم کردہ ہیں۔ لہٰذا ان کے دائرے سے باہر قدم نہ رکھ۔

● ●

ص ۱۰۶
سے بہ مصطفیٰ برساں خویش را کہ دیں ہمہ اوست اگر باو نرسیدی تمام بولہبی ست

قوم مذہب سے ہے مذہب جو نہیں تم بھی نہیں جذبِ باہم جو نہیں محفلِ انجم بھی نہیں

اور ہے تیرا شعار آئینِ ملت اور ہے
زشت روئی سے تری آئینہ ہے رسوا ترا

مرحلۂ دوّم ضبطِ نفس

نفسِ تو مثلِ شتر خود پرور است | خود پرست و خود سوار و خود سر است

مرد شو آور زمامِ او بکف | تا شوی گوہر اگر باشی خزف

ہر کہ بر خود نیست فرمانش رواں | می شود فرماں پذیر از دیگراں

طرحِ تعمیرِ تو از گل ریختند | با محبّت خوف را آمیختند

خوفِ دنیا خوفِ عقبیٰ خوفِ جاں | خوفِ آلامِ زمین و آسماں

حُبِّ مال و دولت و حُبِّ وطن | حُبِّ خویش و اقربا و حُبِّ زن

امتزاجِ ما و طیں تن پرور است ۱؎ | کشتۂ فحشا ہلاکِ منکر است

تا عصائے لا الٰہ داری بدست ۲؎ | ہر طلسمِ خوف را خواہی شکست

۱؎ امتزاجِ ما و طین : سورۃ السجدہ (آیات ۷، ۸) اَلَّذِیْٓ اَحْسَنَ کُلَّ شَیْءٍ خَلَقَهٗ وَبَدَاَ خَلْقَ الْاِنْسَانِ مِنْ طِيْنٍ ۚ ثُمَّ جَعَلَ نَسْلَهٗ مِنْ سُلٰلَةٍ مِّنْ مَّآءٍ مَّهِيْنٍ ۝
جس نے ہر چیز کو بہت اچھی طرح بنایا یعنی اس کو پیدا کیا اور انسان کی پیدائش کو مٹی سے شروع کیا، پھر اس کی نسل خلاصے سے یعنی حقیر پانی سے پیدا کی۔ ☆☆

دوسرا مرحلہ ۔ ضبطِ نفس

★ تیرا نفس (اونٹ کی طرح) خود پرور (اپنے آپ کو پالنے والا ہے) ساتھ ہی وہ خود پرست سرکش اور ضدی ہے۔

★ لہٰذا اے انسان! مرد بن؛ جرأت سے کام لے۔ اپنے نفس کی لگام اپنے ہاتھ میں لے، اور اس پر قابو حاصل کر تاکہ تو خزف ریزہ (ٹھیکرا) سے گوہر بن سکے۔

★ جو اپنے نفس پر قابو نہیں رکھتا وہ دوسروں کا محتاج بن جاتا ہے۔ جو خود کا حاکم (فرمانروا) نہیں بنتا وہ دوسروں کا محکوم (فرمانبردار) بن جاتا ہے۔

★ تیری (ہستی کی) تعمیر آب و گِل سے ہوئی ہے، اور اس میں محبّت کے ساتھ خوف بھی ملا دیا گیا ہے۔

★ خوف کے ضمن میں دنیا کا خوف، آخرت کا خوف، جان و مال کا خوف اور اسی طرح زمینی اور آسمانی مصائب کا خوف وغیرہ شامل ہیں۔

★ اسی طرح محبّت کے ضمن میں مال و دولت کی محبّت، وطن کی محبّت، خویش و اقارب کی محبّت، زن و فرزند کی محبت وغیرہ شامل ہیں۔

★ آب و گل سے بنے ہوئے اس جسم کی فطرت تن پروری ہے اور وہ ہوا و ہوس اور برائیوں (منہیات) کا جلد شکار ہو جاتا ہے۔

★ لیکن جب تک (عصائے موسیٰ کی طرح) لا الٰہ کا عصا تیرے ہاتھوں میں ہے تب تک تو خوف و ہراس کے طلسم کو توڑ سکتا ہے۔

☆☆ فحشا و منکر: سورۂ عنکبوت (آیت ۴۵) اِنَّ الصَّلٰوۃَ تَنْھٰی عَنِ الْفَحْشَآءِ وَالْمُنْکَرِ ؕ وَلَذِکْرُ اللّٰہِ اَکْبَرُ ؕ کچھ شک نہیں کہ نماز بے حیائی اور بری باتوں سے روکتی ہے اور خدا کا ذکر بڑا اچھا کام ہے۔ ۲ سورہ یونس (آیت ۶۲) اَلَآ اِنَّ اَوْلِیَآءَ اللّٰہِ لَا خَوْفٌ عَلَیْھِمْ وَلَا ھُمْ یَحْزَنُوْنَ ۝ سن رکھو کہ جو خدا کے دوست ہیں ان کو نہ کچھ خوف ہوگا اور نہ وہ غمناک ہوں گے۔

ہر کہ حق باشد چوں جاں اندر تنش
خم نگردد پیشِ باطل گردنش

خوف را در سینۂ او راہ نیست
خاطرش مرعوبِ غیر اللہ نیست

ہر کہ در اقلیمِ لا آباد شد
فارغ از بندِ زن و اولاد شد

می کند از ما سوی قطعِ نظر [1]
می نہد ساطور بر حلقِ پسر

با یکی مثلِ ہجومِ لشکر است
جاں بچشمِ او ز باد ارزاں تر است

لا الٰہ باشد صدف گوہر نماز
قلبِ مسلم را حجِ اصغر نماز

در کفِ مسلم مثالِ خنجر است [2]
قاتلِ فحشا و بغی و منکر است

روزہ بر جوع و عطش شبخوں زند
خیبرِ تن پروری را بشکند

مومناں را فطرت افروز است حج
ہجرت آموز و وطن سوز است حج

---

[1] سورہ الصّٰفٰت (آیت ۱۰۳) : فَلَمَّآ اَسْلَمَا وَتَلَّهٗ لِلْجَبِيْنِ ۝ جب دونوں نے حکم مان لیا اور باپ نے بیٹے کو ماتھے کے بل لٹا دیا تو ہم نے اُن کو پکارا کہ اے ابراہیم تم نے خواب کو سچا کر دکھایا۔

[2] واطیعوا اللہ و رسولہ ولا تنازعوا فتفشلوا و تذھب ☆☆

★ جس کے تن میں حق (سچائی) جان کی طرح موجود ہو اس کا سر باطل کے سامنے کبھی نہیں جھک سکتا۔

★ اس کے سینے میں خوف کے لیے کوئی جگہ نہیں ہوتی اور اس کا دل کبھی غیراللہ سے مرعوب نہیں ہوتا۔ وہ خدا کے سوا کسی سے نہیں ڈرتا۔

★ جو بھی لَا (لَا اِلٰہَ اِلَّا اللہ) یعنی توحید کی مملکت میں آباد ہوتا ہے وہ زن و فرزند اور خویش و اقربا کے تعلقات اور بندشوں سے آزاد ہوتا ہے۔

★ وہ ہر ماسوا (اللہ کے سوا ہر شے) سے نظریں ہٹا کر بے نیاز ہو جاتا ہے۔ حتیٰ کہ حضرت ابراہیمؑ کی طرح اپنے فرزند کے حلق پر چھری رکھ دیتا ہے۔

★ ایسا شخص تنِ تنہا ایک لشکر کے مانند ہوتا ہے۔ وہ اپنی جان کو ہوا کے جھونکے سے بھی زیادہ ارزاں سمجھتا ہے۔

★ کلمہ لَا اِلٰہَ یعنی توحید صدف کے مانند ہے اور نماز اس کا موتی ہے۔ نماز مسلمان کے دل کے لیے حجِ اصغر (عمرہ) کے برابر ہوتی ہے۔

★ نماز مسلمان کے ہاتھ میں ایک خنجر، ایک تلوار کی طرح ہے جو تمام فحش باتوں (بیہودگیوں) نافرمانیوں اور برائیوں کو کاٹ کر رکھ دیتی ہے۔

★ روزہ بھوک اور پیاس پر شبخون مارتا ہے اور تن پروری اور آرام طلبی کے قلعہ (خیبر) کو ڈھا دیتا ہے۔

★ حج مومن کی انسانی فطرت کو جلا دے کر روشن کرتا ہے وہ ہجرت کی تعلیم دیتا ہے اور وطنیت کے جذبہ کو بین الاقوامی اور آفاقی نظر دے کر انسانی وحدت کا تصور پیدا کرتا ہے۔

☆☆ ریحکم واصبرو ہ ان اللہ مع الصابرین ہ

اور خدا اور اس کے رسول کے حکم پر چلو اور آپس میں جھگڑا نہ کرنا کہ ایسا کرو گے تو تم بزدل ہو جاؤ گے اور تمہارا اقبال جاتا رہے گا اور صبر سے کام لو کہ خدا صبر کرنے والوں کا مددگار ہے۔

طلعتے سرمایۂ جمعیتے
ربطِ اوراقِ کتابِ ملتے

حُبِّ دولت را فنا سازد زکوٰۃ
ہم مساوات آشنا سازد زکوٰۃ

دل ز حَتّٰی تُنْفِقُوْا محکم کند[1]
زر فزاید الفتِ زر کم کند

ایں ہمہ اسبابِ استحکام تست
پختۂ محکم اگر اسلام تست

اہلِ قوّت شو ز وردِ یا قوی
تا سوارِ اُشترِ خاکی شوی

مرحلۂ سوم نیابتِ الٰہی

گر شتربانی جہانبانی کنی
زیبِ سرِ تاجِ سلیمانی کنی

---

[1] حَتّٰی تُنْفِقُوْا : چوتھے پارہ کی پہلی آیت : لَنْ تَنَالُوا الْبِرَّ حَتّٰی تُنْفِقُوْا مِمَّا تُحِبُّوْنَ ۝ یاد رکھو نیکی کا درجہ کبھی حاصل نہیں کر سکتے جب تک تم میں یہ بات پیدا نہ ہو جائے کہ مال و دولت میں سے جو کچھ محبوب رکھتے ہو اسے راہِ حق میں خرچ کرو۔

★ یہ ایسی عبادت ہے جو ملّت کی جمعیّت اور اس کے استحکام کا سبب (سرمایہ) بنتی ہے اور کتاب ملّت کے اوراق کی شیرازہ بندی کرتی ہے۔

★ زکوٰۃ دولت کی محبّت کو فنا کرتی ہے۔ دولت کی حرص و ہوس کا طلسم توڑ دیتی ہے اور عوام میں اخوّت اور مساوات کا جذبہ پیدا کرتی ہے۔

★ وہ لَنْ تَنَالُوا الْبِرَّ حَتّٰی تُنْفِقُوْ کی تعلیم سے دِلوں کو مضبوط بناتی ہے۔ اِس طرح وہ دولت کی محبت گھٹاتی ہے اور جود و سخا کا جذبہ بڑھاتی ہے۔

★ یہ تمام ارکانِ دین تیری شخصیت کے استحکام کے اسباب و ذرائع ہیں۔ اگر تیرا اسلام محکم (مضبوط) ہے اور تو شعائرِ اسلام پر قائم ہے تو تیری شخصیت (خودی) پختہ ہوگی۔

★ لہٰذا اللہ تعالیٰ کے اِسم یَا قَوِیُّ کے ورد سے طاقتور اور توانا بن۔ تاکہ اپنے اشتر خاکی یعنی جسم خاکی کا سوار و مالک بن سکے، یعنی اپنے نفس پر قابو حاصل کر کے اپنی شخصیت (خودی) کی تکمیل کر سکے۔

تیسرا مرحلہ ۔ نیابتِ الٰہی

★ اگر تو اپنے اونٹ (اپنے نفس جسم خاکی) پر قابو حاصل کر کے شتربانی کرے گا تو اس کے نتیجے میں جہانبانی بھی کر سکے گا اور اپنے سر کو تاجِ سلیمانی سے زینت بخشے گا۔

تا جہاں باشد جہاں آرا شوی ۱؎ تاجدارِ ملکِ لا یبلیٰ شوی

نائبِ حق در جہاں بودن خوش است بر عناصر حکمراں بودن خوش است

نائبِ حق ، ہمچو جانِ عالم است ۲؎ ہستیِ او ظلِ اسمِ اعظم است

از رموزِ جزو و کل آگہ بود ۳؎ در جہاں قائم بامر اللہ بود

خیمہ چوں در وسعتِ عالم زند ایں بساطِ کہنہ را برہم زند

فطرتش معمور و می خواہد نمود عالمے دیگر بیارد در وجود

صد جہاں مثلِ جہانِ جزو و کل روید از کشتِ خیالِ او چو گل

پختہ سازد فطرتِ ہر خام را از حرم بیروں کند اصنام را

نغمہ زا تارِ دل از مضرابِ او بہرِ حق بیداریِ او خوابِ او

۱؎ لا یبلیٰ : سورہ طٰہٰ کی آیت ۱۲۰ : یٰٓاٰدَمُ ھَلْ اَدُلُّکَ عَلٰی شَجَرَۃِ الْخُلْدِ وَمُلْکٍ لَّا یَبْلٰی ٥

اے آدمؑ میں تمھیں ہمیشگی کے درخت کا نشان دے دوں اور ایسی بادشاہی کا جسے کبھی زوال نہ ہو ۔ (ملک لا یبلیٰ = ایسا ملک جسے کبھی زوال نہ ہو)

۲؎ نائبِ حق : سورہ بقرہ (آیت ۳۰) اِنِّیْ جَاعِلٌ فِی الْاَرْضِ خَلِیْفَۃً ...... الخ ☆☆

★ جب تک دنیا قائم ہے تو جہانبانی اور جہان آرائی کرتا رہے گا اور دنیا کو سنوارتا رہے گا اور ایسے ملک کا تاجدار بن جائے گا جس پر کبھی زوال نہ آئے۔

★ دنیا میں نائبِ حق (خلیفۃ اللہ) بن کر رہنا قابلِ فخربات ہے۔ اور اس طرح دنیا اور اس کے عناصر پر حکمرانی کرنا بڑی بات ہے۔

★ جس طرح جسم کے لیے جان ہوتی ہے اُسی طرح نائبِ حق جانِ عالم ہوتا ہے۔ اس کی ہستی اسمِ اعظم کا سایہ ہوتی ہے، جس سے دنیا رشکِ فردوس بن جاتی ہے۔

★ وہ کائنات کے جُز اور کلُ کے اسرار سے باخبر ہوتا ہے اور دنیا میں اللہ کے حکم سے حاکم ہوتا ہے (تاکہ خدائی حکم کو دنیا میں رواج دے سکے)۔

★ نائبِ حق عالم کی سرزمین پر اپنا خیمہ نصب کرتا ہے۔ وہ عالم کی پرانی بساط کو اُلٹ کر رکھ دیتا ہے۔ قدیم اور فرسودہ نظامِ عالم کو ختم کر کے نئے دور کا آغاز کرتا ہے۔

★ اس کی فطرت حیات آفریں انقلاب سے لبریز ہوتی ہے، اور اس کا اظہار کرنا چاہتی ہے لہٰذا وہ نئے نظامِ حیات کو وجود میں لاتا ہے جو انسانیت کے لیے خیر و برکت کا باعث ہوتا ہے۔

★ اس جہان کی مانند سینکڑوں جہان تختۂ گل کی طرح اس کے فکر و خیال کے کشتِ زار میں پروان چڑھتے ہیں۔

★ نائبِ حق ہر خام اِنسان کی فطرت کو پختگی عطا کرتا ہے اور اس کے کعبۂ دل کو اصنام سے پاک کرتا ہے۔ (اس کے نفس کو ہوا و ہوس سے پاک کرتا ہے)۔

★ اس کی مضراب سے دلوں کے تار جھنجھلا اُٹھتے ہیں اور ان سے نغمے پھوٹتے ہیں۔ اس کا اٹھنا بیٹھنا سونا اور جاگنا سب کچھ حق کی خاطر ہوتا ہے۔

☆☆ باب خودی عشق سے محکم ہوتی ہے کا آخری شعر ملاحظہ ہو۔

۳ؔ بامراد اللہ: سورہ رعد آیت ۲۱: وَالَّذِيْنَ يَصِلُوْنَ مَآ اَمَرَ اللّٰهُ بِهٖ ..... سُوْٓءَ الْحِسَابِ ہ اور جن (رشتہ ہائے قرابت) کے جوڑے رکھنے کا خدا نے حکم دیا ان کو جوڑے رکھتے اور اپنے پروردگار سے ڈرتے رہتے اور بُرے حساب سے خوف رکھتے۔

شیب را آموزد آہنگِ شباب — می دہد ہر چیز را رنگِ شباب

نوعِ انساں را بشیر و ہم نذیر ۱؎ — ہم سپاہی ہم سپہگر ہم امیر

مُدّعائے عَلّم الاسماستے ۲؎ — سِرِّ سبحان الذی اسریٰستے

از عصا دستِ سفیدش محکم است ۳؎ — قدرتِ کامل بعلمش توام است

چوں عناں گیرد بدست آں شہسوار — تیز تر گردد سمندِ روزگار

خشک سازد ہیبتِ او نیل را ۴؎ — می برد از مصر اسرائیل را

از قُمِ او خیزد اندر گورِ تن ۵؎ — مردہ جانہا چوں صنوبر در چمن

ذاتِ او توجیہِ ذاتِ عالم است — از جلالِ او نجاتِ عالم است

ذرّہ خورشید آشنا از سایہ اش — قیمتِ ہستی گراں از مایہ اش

۱؎ بشیر و نذیر: سورہ مائدہ: (آیت ۱۹) فَقَدْ جَاءَكُمْ بَشِيْرٌ وَّ نَذِيْرٌ ؕ وَاللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ۝ سو اب تمھارے پاس خوشخبری اور ڈر سنانے والے آ گئے ہیں، اور خدا ہر چیز پر قادر ہے۔

۲؎ پہلے مصرعے کے لیے سورہ بقرہ آیت ۳۱: وَعَلَّمَ اٰدَمَ الْاَسْمَآءَ كُلَّهَا ثُمَّ ☆

★ وہ بڑھاپے کو نغمۂ شباب سکھاتا ہے۔ وہ مُردہ دلوں میں جان پیدا کرتا ہے اور ہر شے میں جوانی کا رنگ بھرتا ہے۔

★ وہ نوعِ اِنسانی کے حق میں بشیر و نذیر (یعنی بشارت دینے والا اور ڈرانے والا) ہوتا ہے۔ وہ خود ہی سپاہی، خود ہی سپہ سالار اور امیرِ لشکر ہوتا ہے۔

★ نائبِ حق اس دنیا میں عَلَّمَ الْاَسْمَاءَ کی تعلیم کا مظہر ہوتا ہے اور روحانی اعتبار سے وہ سُبْحَانَ الَّذِیْ اَسْرٰی یعنی حضورؐ کی معراج کی حقیقت کا رازداں ہوتا ہے۔

★ نائبِ حق کو علمِ حق کے ساتھ ساتھ قدرتِ کامل (طاقت و قوت) بھی عطا ہوتی ہے۔ موسیٰ کو یدِ بیضا کے ساتھ عصا (شریعت کی حفاظت کی طاقت) عطا کیا گیا تھا۔

★ جب ایسا شہسوار زمانے کی لگام اپنے ہاتھوں میں لیتا ہے تو اسپِ زمانہ کی رفتار تیز تر ہو جاتی ہے اور زمانہ سرعت سے ترقی کرتا ہے۔

★ اس کی ہیبت سے دریائے نیل خشک ہو جاتا ہے اور وہ اپنی قوم کو مصر سے باہر لے جانے میں کامیاب ہوتا ہے۔ وہ لوگوں کو ظالموں کے ظلم و جبر سے نجات دلاتا ہے۔

★ اس کے اعجاز سے جسموں کے قبروں کے اندر مُردہ جانیں اس طرح زندہ ہو جاتی ہیں جس طرح باغ میں سرو صنوبر سر اٹھائے کھڑے ہوتے ہیں۔

★ اس کی ذات عالم کی مظہر اور آئینہ دار ہوتی ہے یعنی اس کی ذات سے دنیا کی حقیقت اور غرض و غایت کا پتہ چلتا ہے۔ اس کے جلال اور حشمت میں عالم کی نجات مُضمر ہوتی ہے۔

★ اس کے سائے میں ذرّہ خورشید کا آشنا بن جاتا ہے۔ اس کی گرانمایہ ہستی سے خود ہستی کی قدر و قیمت بڑھ جاتی ہے۔

☆ عَرَضَهُمْ عَلَى الْمَلٰٓئِكَةِ ہ اور اُس نے آدم کو سب چیزوں کے نام سکھائے پھر ان کو فرشتوں کے سامنے کیا اور فرمایا کہ اگر سچے ہو تو مجھے ان کے نام بتاؤ۔ اُنھوں نے کہا تو پاک ہے۔ جتنا علم تو نے ہمیں بخشا ہے اس کے سوا ہمیں کچھ معلوم نہیں۔ بیشک تو دانا اور حکمت والا ہے۔

☆☆ دوسرے مصرعے میں سورہ بنی اسرائیل کی پہلی آیت کی طرف اشارہ ہے۔

زندگی بخشد ز اعجازِ عمل — می کند تجدید اندازِ عمل

جلوہ ہا خیزد ز نقشِ پائے او — صد کلیم آوارہ سینائے او

زندگی را می کند تفسیرِ نَو — می دہد ایں خواب را تعبیرِ نَو

ہستیٔ مکنونِ او رازِ حیات — نغمۂ نشنیدۂ سازِ حیات

طبعِ مضموں بندِ فطرت خوں شود — تا دو بیتِ ذاتِ او موزوں شود

مشتِ خاکِ ما سرِ گردوں رسید — زیں غبار آں شہسوار آید پدید

خفتہ در خاکسترِ امروزِ ما — شعلۂ فردائے عالم سوزِ ما

غنچۂ ما گلستاں در دامن است — چشمِ ما از صبحِ فردا روشن است

اے سوارِ اشہبِ دوراں بیا — اے فروغِ دیدۂ امکاں بیا

سُبْحٰنَ الَّذِیْٓ اَسْرٰی بِعَبْدِهٖ لَیْلًا مِّنَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ اِلَی الْمَسْجِدِ الْاَقْصَا ...... پاک ہے وہ ذات جو ایک رات اپنے بندے کو مسجدِ حرام یعنی خانہ کعبہ سے مسجدِ اقصیٰ (یعنی بیت المقدس) تک جس کے گرداگرد ہم نے برکتیں رکھی ہیں لے گیا تاکہ ہم اسے اپنی قدرت کی نشانیاں دکھائیں۔

☆☆☆

★ وہ اپنے عمل کے اعجاز سے اس جہان کو ایک نئی زندگی دیتا ہے۔ وہ فرسودہ نظامِ عمل اور دستورِ زمانہ کو نیا روپ عطا کرتا ہے۔

★ اس کے نقشِ پا سے جلوے نمایاں ہوتے ہیں۔ اس کے کوہِ سینا (اس کی پرنور ہستی) کی جانب صدہا کلیم (طالبانِ حق) قدم بڑھاتے ہیں۔ (اُس کے نقش قدم پر چلتے ہیں)۔

★ وہ زندگی کی نئی تفسیر پیش کرتا ہے۔ جس سے زندگی میں ایک نیا حیات افروز اور روح پرور انقلاب پیدا ہوتا ہے۔ اس طرح وہ زندگی کے خوابوں کی نئی تعبیر پیش کرتا ہے۔

★ اس کی پوشیدہ ہستی زندگی کا راز ہوتی ہے۔ وہ ایسا نغمہ ہوتا ہے جس سے زندگی کا ساز اب تک نا آشنا رہا ہو۔

★ یہاں فطرت کو شاعر سے اور مردِ حق کو شعر سے تشبیہہ دی گئی ہے۔ جب شاعر کا جگر خون ہوتا ہے تو اچھے شعر کی تخلیق ہوتی ہے۔ جب فطرت کے دِل کا خون ہوتا ہے تو مردِ حق پیدا ہوتا ہے۔

★ ہماری ملّت کی خاک آسمان پر جا پہنچی ہے۔ یقینِ واثق ہے کہ وہ نائبِ حق، وہ شہسوار اسی غبار سے یعنی ہماری ملّت سے پیدا ہوگا۔

★ ہماری آج کی خاکستر میں فردا کا شعلہ سویا ہوا ہے۔ کل جب وہ چمکے گا تو عالم میں انقلاب کی آگ لگا دے گا، اس طرح تمام عالم کو روشن کر دے گا۔

★ ہمارا غنچہ اپنے دامن میں گلستان لیے ہوئے ہے۔ (ملّت کی حالت اس غنچے کی سی ہے جس میں مستقبل میں گلستان بننے کی صلاحیت ہے)۔ ہماری آنکھ مستقبل کی صبح کے نور سے روشن ہے۔

★ اے موعود نائبِ حق (مہدیٔ وقت) اے شہسوارِ اشہبِ زمانہ (اسپِ زمانہ کے سوار) اور جلد آ۔ اے تو کہ دنیا کی آنکھوں کا نور ہے بخدا جلد آ۔

☆☆☆ ؂ عصا اور دستِ سفید: سورہ طٰہٰ۔ آیات ۱۷ تا ۲۲: وَمَا تِلْكَ بِيَمِينِكَ يٰمُوسٰى ...... الخ۔ اور موسیٰ یہ تمہارے داہنے ہاتھ میں کیا ہے؟ انھوں نے کہا یہ میری لاٹھی ہے۔ اس پر میں سہارا لگاتا ہوں۔ فرمایا کہ موسیٰ اسے ڈال دو، تو انھوں نے ڈال دیا اور وہ ناگہاں سانپ بن کر دوڑنے لگا۔ خدا نے فرمایا کہ اسے پکڑ لو اور ڈرنا مت۔ ہم اس کو ابھی اس کی پہلی حالت میں لوٹا دیں گے۔ ☆☆

رونقِ ہنگامۂ ایجاد شو
در سوادِ دیدہ ہا آباد شو

شورشِ اقوام را خاموش کن
نغمۂ خود را بہشتِ گوش کن

نیز و قانونِ اخوّت ساز دہ
جامِ صہبائے محبّت باز دہ

باز در عالم بیار ایّامِ صلح
جنگجویاں را بدہ پیغامِ صلح

نوعِ انساں مزرع و تو حاصلی
کاروانِ زندگی را منزلی

ریخت از جورِ خزاں برگِ شجر
چوں بہاراں بر ریاضِ ما گذر

سجدہ ہائے طفلک و برنا و پیر
از جبینِ شرمسارِ ما بگیر

از وجودِ تو سر افرازیمِ ما
پس بہ سوزِ ایں جہاں سوزیمِ ما

☆☆ (آیت ۲۲) وَاضْمُمْ يَدَكَ اِلٰى جَنَاحِكَ تَخْرُجْ بَيْضَآءَ مِنْ غَيْرِ سُوْٓءٍ آيَةً اُخْرٰى ٥ اور اپنا ہاتھ اپنی بغل سے لگا لو کہ وہ کسی عیب کے بغیر سفید (بیضا) چمکتا دمکتا نکلے گا۔

ٍ نیل: سورہ طٰہٰ آیت ۷۷: وَلَقَدْ اَوْحَيْنَا۔۔۔۔ الخ ۔اور ہم نے موسیٰ کی طرف وحی بھیجی کہ ہمارے بندوں کو راتوں رات نکال لے جاؤ۔ پھر ان کے لیے دریا میں (لاٹھی مار کر)

☆☆☆

★ اور دنیا میں انقلاب اور ایجاد کے ہنگاموں کی رونق بن اور ہماری آنکھوں کی پُتلیوں میں آباد ہو جا۔

★ اقوام نے عالم میں شورشیں برپا کر رکھی ہیں۔ ان شورشوں کو فرو اور ہنگاموں کو خاموش کرا اور اپنے روح پرور نغموں کو دنیا کے لیے بہشتِ گوش بنا۔

★ اُٹھ! اور اخوت کے ساز پر روح پرور نغمے چھیڑ اور سب کو محبت کی شراب کے جام عطا کر۔

★ آ، اور دنیا میں از سرِ نو صلح اور آشتی کا دور قائم کرا اور جنگجو قوموں کو جو باہم کشت و خون کر رہی ہیں امن و صلح کا پیغام دے۔

★ نوعِ انسان ایک کھیتی ہے اور تو اس کا حاصل ہے۔ تو ہی کاروانِ حیات کے لیے منزلِ مقصود ہے۔

★ خزاں کے جور و ستم نے ہمارے گلستان کو نوچ کر ویران کر دیا ہے۔ لہٰذا گزارش ہے کہ تو بہار بن کر ہمارے گلستاں میں گزر کر۔

★ ہمارے بچوں، جوانوں اور بوڑھوں کی جبینیں اپنی حالت پر شرمسار ہیں۔ تو ان کی جبینوں کے سجدوں کی لاج رکھ۔

★ ہم تیری آمد کے منتظر ہیں کیونکہ تیرے وجود سے ہم بھی
سر بلند اور سرافراز ہو جائیں گے۔ اسی اُمید میں ہم
غمِ دوراں کے شعلوں کو برداشت کر رہے ہیں۔

☆☆☆ خشک رستہ بنا دو......

۵ قم: سورہ مائدہ، آیت ۱۱۰: وَ اِذْ تَخْلُقُ مِنَ الطِّيْنِ ..... الخ۔ اور جب تم میرے حکم سے مٹی کا جانور بنا کر اس میں پھونک مار دیتے تھے تو وہ میرے حکم سے اُڑنے لگتا تھا اور مادر زاد اندھے اور سفید داغ والے کو میرے حکم سے چنگا کر دیتے تھے اور مردے کو زندہ کر کے قبر سے نکال کھڑا کرتے تھے۔

در شرحِ

اسرارِ اسمائے علی مرتضیٰؓ

مسلمِ اول شہِ مرداں علیؓ　　عشق را سرمایۂ ایماں علیؓ

از ولائے دودمانش زندہ ام　　در جہاں مثلِ گہر تابندہ ام

نرگسم وارفتۂ نظارہ ام　　در خیابانش چو بُو آوارہ ام

زمزم ار جوشد ز خاکِ من ازوست　　مے اگر ریزد ز تاکِ من ازوست

خاکم و از مہرِ او آئینہ ام　　می تواں دیدن نوا در سینہ ام

از رُخِ او فالِ پیغمبرؐ گرفت　　ملّتِ حق از شکوہش فر گرفت

ف ۱؎ نقش ہیں سب ناتمام خونِ جگر کے بغیر　　نغمہ ہے سودائے خام خونِ جگر کے بغیر

ہم کو شاعر نہ کہو میرؔ کہ صاحب ہم نے　　درد و غم کتنے کیے جمع تو دیوان کیا

حسنِ فروغِ شمعِ سخن دور ہے اسدؔ　　پہلے دلِ گداختہ پیدا کرے کوئی

حضرت علیؓ کے اسماء کی شرح

★ نوجوانوں میں اسلام قبول کرنے والوں میں سب سے پہلے حضرت علیؓ تھے جو شاہِ مرداں اور شیرِ یزداں کہلاتے ہیں۔ ان کا ایمان عشق کے لیے بیش قیمت سرمایہ ہے۔

★ میں ان کے خانوادے کی محبت میں زندہ ہوں اور اس کی برکت سے دنیا میں گوہر کی طرح تابندہ ہوں۔

★ میں سراپا آنکھ ہوں اور ان کے نظارے کے لیے بے چین ہوں اور ان کے خیابان (چمن کی کیاری) میں خوشبو کی طرح بھٹک رہا ہوں۔

★ اگر میری مشتِ خاک سے زمزم اُبلتا ہے تو اس کا سبب اُن کی ذاتِ پاک ہے اور اگر میری تاک (انگور کی بیل) سے شرابِ ناب (اعلیٰ کلام) ٹپکتی ہے تو اُن ہی کرم سے۔

★ میں خاک ہوں مگر ان کی محبت نے مجھے آئینہ کی طرح صاف اور شفاف بنا دیا ہے جس کی وجہ سے میرے سینہ سے جو نوا اُٹھ رہی ہے وہ صاف طور پر سینہ میں دکھائی دیتی ہے۔

★ پیغمبر صلعم ان کے چہرۂ انور کو دیکھ کر فال لیا کرتے تھے اور ان کی پُرشکوہ شخصیت سے ہماری ملت کو شان و شوکت حاصل ہوئی ہے۔ ۱

---

۱ از رخِ او فال پیغمبر گرفت سے لے کر خاک را اب شنو کہ این مردانگی است - تک اقبالؔ نے حضرت علی کے چار القاب کا بیان کیا ہے۔

۱۔ ابو تراب ۲۔ ید اللہ ۳۔ کرّار ۴۔ دروازۂ شہرِ علوم

قوّتِ دینِ مبیں فرمودہ اش	کائنات آئیں پذیر از دودہ اش
مُرسلِ حق کرد نامش بوتراب [۱]	حق یداللہ خواند در اُمّ الکتاب
ہر کہ دانائے رموزِ زندگیست	سِرّ اسمائے علیؓ داند کہ چیست
خاکِ تاریکے کہ نامِ او تن است	عقل از بیدادِ او در شیون است
فکرِ گردوں رس زمیں پیما ازو	چشم کور و گوش ناشنوا ازو
از ہوس تیغِ دو رُو دارد بدست	رہرواں را دل بریں رہزن شکست
شیرِ حق ایں خاک را تسخیر کرد	ایں گِلِ تاریک را اکسیر کرد
مرتضیٰؓ کز تیغِ او حق روشن است	بوتراب از فتحِ اقلیمِ تن است
مردِ کشور گیر از کرّاری است [۲]	گوہرش را آبرو خودداری است

[۱] دوسرے مصرعے میں غالباً سورہ الفتح (آیت ۱۰) کی تلمیح ہے۔
اِنَّ الَّذِيْنَ يُبَايِعُوْنَكَ اِنَّمَا يُبَايِعُوْنَ اللّٰهَ ؕ يَدُ اللّٰهِ فَوْقَ اَيْدِيْهِمْ ۚ
جو لوگ تم سے بیعت کرتے ہیں، خدا کا ہاتھ اُن کے ہاتھوں پر ہے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہٗ کو اسداللہ بھی کہا گیا ہے۔

★ ان کے ارشادات دینِ اسلام کو قوت بخشتے تھے اور دنیا ان کے خانوادے سے آئینِ حکومت اور دستورِ حیات حاصل کرتی رہی ہے۔

★ سرورِ کائنات نے انھیں "ابوتراب" (مٹی کا باپ[1]) کے لقب سے سرفراز کیا اور خدائے تعالیٰ نے قرآن میں یداللہ (اللہ کا ہاتھ) کے خطاب سے نوازا۔

★ جو بھی زندگی کے اسرار سے باخبر ہے وہ اچھی طرح جانتا ہے کہ حضرت علیؓ کے القاب میں کیا راز پوشیدہ ہے۔

★ یہ تاریک خاک جسے ہم تن کہتے ہیں اور جس کے جور و ستم سے عقلِ انسانی ہمیشہ نالاں رہتی ہے۔

★ اور جو فکرِ فلک پیما (آسمان پر پرواز کرنے والی فکر) کو زمین پیما (زمین ناپنے کا گز) بنا دیتی ہے اور جو آنکھوں کو اندھا اور کانوں کو بہرا بنا دیتی ہے۔

★ وہ بڑی ہوس پرست ہے۔ اس نے ہوس کی دودھاری تلوار اپنے ہاتھ میں لے رکھی ہے اور رہزن بن کر راہروؤں کو لوٹتی اور ان کے دلوں کو توڑتی رہتی ہے۔

★ لیکن شیرِ مولا حضرت علیؓ نے اس سرکش خاک کو، جسے تن کہتے ہیں مسخر کیا اور پھر اس تیرہ خاک یعنی بے نور مٹی کو اکسیر بنا ڈالا۔

★ حضرت علیؓ وہ مقدس ہستی ہیں جن کی تیغ نے حق کو دنیا میں روشن کیا۔ جب انھوں نے اقلیمِ تن (جسمِ خاکی یعنی نفسِ امارہ) کی تسخیر کی تو "بوتراب" (مٹی کے باپ) کا لقب پایا۔

★ حضرت علیؓ کا ایک لقب حیدرِ کرار بھی ہے۔ جب تک کسی انسان میں کراری نہ ہو تب تک وہ سلطنتیں فتح نہیں کرسکتا۔ اس کی کراری اور پامردی کی آبرو اس کی خودداری میں ہے۔

---

[1] ایک دن حضرت علیؓ مسجدِ نبوی میں محوِ استراحت تھے، جب حضورِ اکرمؐ مسجد میں داخل ہوئے تو دیکھا کہ حضرت علیؓ کھلے بدن زمین پر محوِ خواب ہیں اور جسم گرد آلود ہو رہا ہے۔ یہ کیفیت دیکھ کر آپ نے فرطِ محبت سے پکارا۔ اے ابوتراب اٹھ۔ (اے مٹی کے باپ اٹھ بیٹھ۔

ہر کہ در آفاق گردد بوتراب
باز گرداند ز مغرب آفتاب

ہر کہ زیں بر مرکبِ تن تنگ بست
چوں نگیں بر خاتمِ دولت نشست

زیرِ پاش اینجا شکوہِ خیبر است
دستِ او آنجا قسیمِ کوثر است

از خود آگاہی یداللّٰہی کند
از یداللّٰہی شہنشاہی کند

ذاتِ او دروازۂ شہرِ علوم [1]
زیرِ فرمانش حجاز و چین و روم

حکمراں باید شدن بر خاکِ خویش
تا مئے روشن خوری از تاکِ خویش

خاک گشتن مذہبِ پروانگی است
خاک را اب شو کہ ایں مردانگی است

سنگ شو اے ہمچو گُل نازک بدن
تا شوی بنیادِ دیوارِ چمن

از گِلِ خود آدمے تعمیر کن
آدمے را عالمے تعمیر کن

---

[1] حضرت علیؓ کا ایک لقب "حیدرِ کرار" بھی ہے۔ فرماتے ہیں کہ جب تک کسی انسان میں کراری (جنگوں میں عزم و استقلال اور استواری) نہ ہو تب تک وہ سلطنتیں فتح نہیں کر سکتا۔ اس کی کراری اور پامردی کی آبرو اس کی خودداری ہے۔

★ جو بھی اس دنیا میں بوتراب یعنی فاتحِ تن بنتا ہے (اور اپنے نفس پر قابو پاتا ہے) وہ مغرب میں ڈوبتے ہوئے سُورج کو پلٹا سکتا ہے ۔

★ جو بھی اسپِ تن پر مضبوطی سے سوار ہوتا ہے یعنی اپنے نفس پر قابو حاصل کرلیتا ہے وہ نگیں کی طرح سلطنت کی انگوٹھی میں جگہ پاتا ہے یعنی مسندِ حکومت پر جلوہ گر ہوتا ہے ۔

★ اس جہان میں خیبر کی شان و شوکت اس کے قدموں کے نیچے ہوتی ہے اور اس جہان میں اس کے ہاتھ آبِ کوثر تقسیم کرتے ہیں ؛ اسے حوضِ کوثر کی ساقی گری حاصل ہوتی ہے ۔

★ وہ اپنی خودی اور خود آگاہی سے " یداللّٰہی " کرتا ہے ۔ یعنی اللہ کا ہاتھ بن جاتا ہے، اور پھر خدا کا ہاتھ بن جانے سے اسے شہنشاہی حاصل ہوجاتی ہے ۔

★ اس کی ذات " شہرِ علوم " کا دروازہ بن جاتی ہے اور اس کے فرمان کے تابع حجاز، چین اور روم جیسے ملک آجاتے ہیں ۔[1]

★ لہٰذا انسان کے لیے پہلی شرط یہ ہے کہ اسے اپنی خاک پر یعنی اپنے تن اور نفس پر قابو حاصل کرنا چاہیے، تاکہ اپنی زندگی کی شاخِ انگور سے روشن شراب پی سکے ۔

★ جل کر خاک ہوجانا تو پروانے کا شیوہ ہے ۔ لیکن خاک کا باپ بننا ۔ (ابو تراب کہلانا) اصل مردانگی ہے ۔

★ اے پھول کی طرح نازک بدن انسان ! (یہ نرمی اور نازک اندامی ترک کر اور اپنی ذات میں سختی پیدا کر) پتھر بن جا تاکہ تو دیوارِ چمن کی بنیاد بن سکے اور چمن کی حفاظت کر سکے ۔

★ اپنے نفس پر قابو پا اور اپنی خاک سے ایک نیا آدم بنا ۔ پھر اس آدم کے لیے ایک نئے جہان کی تشکیل کر ۔

---

[1] حضرت علیؓ سے متعلق حدیث ہے ۔ حضورِ اکرمؐ نے فرمایا تھا ۔

" انا مدینة العلم وعلی بابها "

یعنی میں علم کا شہر ہوں اور علیؓ اس کا دروازہ ہے ۔

گر بنا سازی نہ دیوار و درے / خشت از خاکِ تو بند دیگرے

اے ز جورِ چرخِ ناہنجار تنگ / جامِ تو فریادیٔ بیداد سنگ

نالہ و فریاد و ماتم تا کجا / سینہ کوبیہائے پیہم تا کجا

در عمل پوشیدہ مضمونِ حیات / لذّتِ تخلیقِ قانونِ حیات

خیز و خلّاقِ جہانِ تازہ شو / شعلہ در بر کن خلیل آوازہ شو

با جہانِ نامساعد ساختن / ہست در میداں سپر انداختن

مردِ خود دارے کہ باشد پختہ کار / با مزاجِ او بسازد روزگار

گر نہ سازد با مزاجِ او جہاں ۱ / می شود جنگ آزما با آسماں

بر کند بنیادِ موجودات را / میدہد ترکیبِ نو ذرات را

---

۱ حدیثِ بیخبران است با زمانہ بساز
زمانہ با تو نسازد تو با زمانہ ستیز

★ اگر تو نے اپنی خاک سے دیوار و در، اپنی خودی کی تعمیر نہیں کی تو تیری خاک سے کوئی دوسرا اینٹ بنالے گا۔

★ اے اِنسان! تو آسمان کے ظلم وجور سے تنگ آچکا ہے اور تیرا پیمانۂ حیات پتھر کے جور و ستم کے خلاف فریاد کر رہا ہے۔

★ آخر تو زمانے کے خلاف کب تک فریاد کرتا رہے گا اور کب تک ماتم اور سینہ کوبی میں مصروف رہے گا۔

★ تجھے معلوم ہونا چاہیے کہ زندگی کا راز عمل میں پوشیدہ ہے۔ جدّت اور تخلیق ہی حیات کا دستور ہے۔ (جدوجہد کرنا اور نئی چیزیں پیدا کرنا ہی حیات کا قانون ہے)۔

★ اُٹھ! اور ایک نئے جہان کی تخلیق کر۔ آگ سے ہمکنار ہو اور حضرت ابراہیم خلیل اللہ کی طرح اعلانِ حق بلند کر۔

★ ناساز گار دنیا کے ساتھ سمجھوتہ کرنا میدانِ جنگ میں سپر ڈالنے اور شکست قبول کرنے کے برابر ہے۔

★ خود دار اور پختہ کار اِنسان زمانے کو بدل کر رکھ دیتا ہے اور زمانہ اس کے مزاج کے مُطابق ساز گار رہتا ہے۔

★ اگر زمانہ اس کے مزاج کے مطابق ساز گار نہیں ہوتا تو وہ آسمان کو دعوتِ پیکار دیتا ہے اور اس سے جنگ کرتا ہے۔ [1]

★ وہ اس کے نظام (موجودات) کو بیخ و بن سے اُکھاڑ کر رکھ دیتا ہے اور اس کے بکھرے عناصر سے ایک نیا جہان تعمیر کرتا ہے۔

پھونک ڈالے یہ زمین و آسمانِ مستعار
اور خاکستر سے آپ اپنا جہاں پیدا کرے
(اقبال)

گردشِ ایام را برہم کند چرخِ نیلی فام را برہم کند

می کند از قوتِ خود آشکار روزگارِ نو کہ باشد سازگار

در جہان نتواں اگر مردانہ زیست ۱؎ ہمچو مرداں جاں سپردن زندگیست

آزماید صاحب قلبِ سلیم زورِ خود را از مہماتِ عظیم

عشق با دشوار ورزیدن خوش است ۲؎ چوں خلیلؑ از شعلہ گل چیدن خوش است

ممکناتِ قوتِ مردانِ کار ۳؎ گردد از مشکل پسندی آشکار

حربۂ دوں ہمتاں کین است و بس زندگی را ایں یک آئین است و بس

زندگانی قوتِ پیدا استے اصل او از ذوقِ استیلا استے

عفوِ بیجا سردیٔ خونِ حیات سکتۂ در بیتِ موزونِ حیات

۱؎ برتر از اندیشۂ سود و زیاں ہے زندگی ہے کبھی جاں اور کبھی تسلیم جاں ہے زندگی

۲؎ بے خطر کود پڑا آتشِ نمرود میں عشق عقل ہے محوِ تماشائے لبِ بام ابھی

۳؎ میارا بزم بر ساحل کہ آں جا نوائے زندگانی نرم خیز است (اقبالؒ)

بدریا غلط و با موجش درآویز حیاتِ جاوداں اندر ستیز است

★ وہ زمانے کی گردش کو بدل ڈالتا ہے اور نیلے آسمان کے نظام کو بھی درہم برہم کر کے رکھ دیتا ہے۔

★ اس طرح وہ اپنی ذاتی قوتوں کو کام میں لاکر ایک نئی دنیا بناتا ہے، جو اس کی مطابقت کرتی ہے۔

★ اگر دنیا میں جواں مردوں کی طرح زندگی بسر نہیں کر سکتے تو جواں مردوں کی طرح جان قربان کر دینا ہی زندگی ہے۔

★ جو اہلِ ہمت ہوتے ہیں اور قلبِ سلیم رکھتے ہیں وہ عظیم مہموں اور حادثوں سے ٹکرا کر اپنی قوتِ بازو کی آزمائش کرتے ہیں۔

★ دشواریوں کا مقابلہ کرنا عشق کا شعار ہے۔ اس کو حضرت خلیلؑ کی طرح شعلوں سے پھول چننے یعنی آتشِ نمرود کو گلزار بنانے میں لطف حاصل ہوتا ہے۔

★ مشکل پسندی اور مہم جوئی میں حوصلہ مندوں کو اپنی قوت کے ممکنات یعنی ممکن الحصول باتوں کا پتہ چلتا ہے۔

★ جو لوگ پست ہمت ہوتے ہیں وہ کینہ اور فریب کو آلۂ کار بناتے ہیں۔ ان کی زندگی کا بس یہی دستور ہوتا ہے۔

★ زندگی ایک آشکارا (کھلی) قوت کا نام ہے اور ذوقِ استیلا یعنی غلبہ اور تسلط حاصل کرنا ہی اس کی اصل فطرت ہے۔

★ بے جا عفو اور درگزر کرنا، خونِ حیات کی کمی (اور سردی) کا مظاہرہ ہے۔ اگر حیات کو شعر سے تشبیہہ دی جائے تو بے جا عفو حیات کے شعر کی موزونیت میں سکتہ ہے۔

ہر کہ در قعرِ مذلّت ماندہ است
ناتوانی را قناعت خواندہ است

ناتوانی زندگی را رہزن است
بطنش از خوف و دروغ آبستن است

از مکارم اندرونِ او تہی است
شیرش از بہرِ ذمائم فربہی است

ہوشیار! اے صاحبِ عقلِ سلیم
در کمین ہا می نشیند ایں غنیم

گر خردمندی فریبِ او مخور
مثلِ حربا ہر زماں رنگش دگر

شکل او اہلِ نظر نشناختند
پردہ ہا بر روئے او انداختند

گاہ او را رحم و نرمی پردہ دار
گاہ می پوشد ردائے انکسار

گاہ او مستور در مجبوری است
گاہ پنہاں در تہِ معذوری است

چہرہ در شکلِ تن آسانی نمود
دل ز دستِ صاحبِ قوّت ربود

★ جو قعرِ ذلت' انتہائی ذلت وخواری میں ڈوب جاتا ہے وہ اپنی کمزوری اور ناتوانی کو قناعت کا نام دے کر خوش ہوتا ہے۔

★ ناتوانی زندگی کی رہزن ہوتی ہے اور اس کی کوکھ سے خوف' دروغ گوئی اور مکاری جیسی برائیاں جنم پاتی ہیں۔ ناتوانی اور دروغ گوئی میں گہرا ربط ہوتا ہے۔

★ اس کا سینہ اعلیٰ اخلاق (خوبیوں) سے خالی ہوتا ہے۔ اس کے ورود سے اخلاقِ ذمیمہ یعنی برائیاں پرورش پاتی ہیں اور فربہ ہوتی ہیں۔

★ لہٰذا اے عقلِ سلیم رکھنے والے انسان! تو اس سے ہوشیار اور چوکس رہ۔ ناتوانی بڑی خطرناک دشمن ہے اور کمین گاہوں میں چھپ کر بیٹھتی ہے اور حملہ کرتی ہے۔

★ اگر تو دانشمند ہے تو اس کا فریب ہرگز نہ کھا۔ وہ گرگٹ کی طرح ہر گھڑی اپنا رنگ بدلتی رہتی ہے۔

★ اہلِ نظر بھی اس کی اصل صورت پہچاننے سے قاصر رہتے ہیں۔ کیونکہ اس کے چہرے پر مختلف قسم کے نقاب پڑے رہتے ہیں۔

★ کبھی تو اس پر رحم دلی کے نقاب ہوتے ہیں اور کبھی وہ انکساری کی ردا (چادر) اوڑھے ہوئے ہوتی ہے۔

★ کبھی وہ مجبوری اور احتیاج کے پردہ میں پوشیدہ ہوتی ہے اور کبھی معذوری کے نقاب میں پنہاں ہوتی ہے۔

★ اور جب وہ تن آسانی کا بہروپ بھرتی ہے تو وہ صاحبِ قوت کا بھی دِل چھین لیتی ہے اور اسے بزدل اور کمزور بنا دیتی ہے۔

باتوانائی صداقت توام است ۱؎ گر خود آگاہی ہمیں جامِ جم است

زندگی کِشت است و حاصل قوّت است شرحِ رمزِ حق و باطل قوّت است

مدّعی گر مایہ دار از قوّت است دعویٔ او بے نیاز از حجّت است

باطل از قوّت پذیرد شانِ حق خویش را حق داند از بطلانِ حق

از کُنِ او زہر کوثر می شود خیر را گوید شرے شر می شود

اے ز آدابِ امانت بے خبر از دو عالم خویش را بہتر شمر

از رموزِ زندگی آگاہ شو ۲؎ ظالم و جاہل زغیر اللہ شو

چشم و گوش و لب کشا اے ہوشمند

گر نہ بینی راہِ حق بر من بخند ۳؎

۱؎ جس طرح ناتوانی اور دروغ گوئی میں رابطہ ہے اسی طرح توانائی اور صداقت میں بھی رابطہ ہے۔ دونوں لازم و ملزوم ہیں۔

۲؎ سورۂ احزاب (آیت ۷۲) اِنَّا عَرَضْنَا الْاَمَانَۃَ عَلَی السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَالْجِبَالِ فَاَبَیْنَ اَنْ یَّحْمِلْنَھَا وَاَشْفَقْنَ مِنْھَا وَحَمَلَھَا الْاِنْسَانُ ط ☆

★ سچ تو یہ ہے کہ قوت اور سچائی لازم و ملزوم ہیں۔ اگر تو اپنی حقیقت سے آگاہ ہوجائے تو یہی جامِ جمشید ہے۔

★ زندگی کھیتی کے مانند ہے اور قوت اس کا حاصل ہے۔ حق و باطل دونوں کا دار و مدار قوت پر ہے۔

★ اگر کوئی مدعی قوت کا حامل ہوتا ہے تو اس کے دعوے کو کسی دلیل کی حاجت نہیں ہوتی۔ اس کی طاقت کی بنا پر اس کا دعویٰ مان لیا جاتا ہے۔

★ قوت کا یہ اعجاز ہے کہ اگر باطل کو قوت حاصل ہو تو اس میں گویا حق کی شان پیدا ہوجاتی ہے اور وہ حق کو باطل ٹھہراتا ہے اور خود کو حق تصور کرتا ہے۔

★ لہٰذا جب باطل اپنی قوت کے بل پر حکم دیتا ہے اور کُن کہتا ہے تو زہر بھی کوثر کہلاتا ہے، اور جب خیر کے بارے میں کہتا ہے کہ شر ہے تو خیر شر بن جاتا ہے۔

★ اے میرے ہم نفس! تو "امانتِ الٰہی" کے آداب سے بے خبر ہے۔ تجھے امانت دے کر اشرف المخلوقات اور مسجودِ ملائک کا درجہ عطا کیا گیا ہے تاکہ تو خود کو دونوں عالم سے بہتر کجھے۔

★ زندگانی کے اسرار و رموز سے آگاہی حاصل کر اور غیر اللہ یعنی خدا کے سوا جو کچھ ہے اس کے حق میں ظالم یعنی بے نیاز و بے گانہ بن جا۔

★ اے باشعور انسان! اپنی چشم اپنے گوش اور لب کھلے رکھ۔
دنیا سے گریز کر۔ بلکہ انفس و آفاق کو مسخر کر۔ اور اس کے باوجود
اگر تجھ پر راہِ حق منکشف نہ ہو تو پھر مجھ کو الزام دے۔

☆ اِنَّہٗ کَانَ ظَلُوۡمًا جَھُوۡلًا ۙ ہم نے بارِ امانت کو آسمانوں اور زمین پر پیش کیا تو اُنھوں نے اس کو اُٹھانے سے انکار کیا اور اس سے ڈر گئے، اور انسان نے اس کو اُٹھا لیا۔ بے شک وہ ظالم اور جاہل تھا، (یعنی اس بار کو اُٹھا کر بڑی نادانی اور جہالت کا مظاہرہ کیا اور اپنی جان پر بڑا ظلم کیا، اپنی جان مشقت میں ڈالا)۔ ☆☆

حکایتِ نوجوانے از مرو کہ پیش حضرت سیّدِ مخدوم علی ہجویری رحمۃ اللہ علیہ آمدہ از ستمِ اعدا فریاد کرد

سیّدِ ہجویر مخدومِ اُمم   مرقدِ او پیرِ سنجر را حرم
بند ہائے کوہسار آساں گسیخت   در زمینِ ہند تخمِ سجدہ ریخت
عہدِ فاروق از جمالش تازہ شد   حق ز حرفِ او بلند آوازہ شد
پاسبانِ عزتِ اُمّ الکتاب   از نگاہش خانۂ باطل خراب
خاکِ پنجاب از دمِ او زندہ گشت   صبحِ ما از مہرِ او تابندہ گشت
عاشقِ و ہم قاصدِ طیارِ عشق   از جبینش آشکار اسرارِ عشق

☆☆☆ ۳؎ دراصل صوفیہ کے اس شعر کی ترمیم کی گئی ہے۔
چشم و گوش و لب بہ بند اے ہوشمند   گر نہ بینی رازِ حق بر من بخند
یعنی غیر اللہ سے آنکھ کان اور لبوں کو بند کر لینے سے اسرارِ الٰہی منکشف ہوتے ہیں۔

مَرو کے ایک نوجوان کی حکایت جو حضرت سیّد مخدوم علی ہجویریؒ کی خدمت میں پہنچا اور اپنے دشمنوں کے ظلم وستم کے خلاف فریاد کی۔

★ حضرت داتا گنج بخش سیّد مخدوم علی ہجویریؒ قوم وملت کے آقا اور رہنما تھے۔ ان کے روضۂ اقدس پر حضرت خواجہ معین الدین چشتیؒ جیسے عظیم المرتبت بزرگ نے چلّہ کشی کی تھی۔

★ حضرت مخدومؒ نے اپنے پہاڑی علاقے سے ترکِ وطن کیا اور ہندوستان تشریف فرما ہوئے اور اس سرزمین میں سجدوں کی تخم ریزی کی یعنی اِسلام کا بیج بویا۔

★ ان کے حسنِ اخلاق اور تعلیمات نے عہدِ فاروقؓ کی روح تازہ کردی اور ہند کی سرزمین میں آوازِ حق بلند کیا یعنی دینِ حق کا شہرہ ہوا۔

★ وہ قرآن کی حرمت کے پاسباں تھے۔ ان کی نگاہِ معجز نما نے باطل کے طلسم کو مسمار کردیا۔

★ ان کے دم سے پنجاب کی سرزمین میں زندگی کی لہر دوڑ گئی اور اُن کے آفتاب جیسے روئے انور سے ہماری زندگی کی صبح روشن ہوئی۔

★ وہ دینِ حق کے عاشق تھے اور مثلِ طائرِ عشق کے تیز قاصد بھی تھے۔ ان کی پُرنور پیشانی سے عشق کے اسرار دُنیا پر آشکار ہوئے۔

داستانے از کمالش سر کنم | گلشنے در غنچۂ مضمر کنم
نوجوانے قامتش بالا چو سرو | وارد لاہور شد از شہر مرو
رفت پیشِ سیدِ والا جناب | تا ربا ید ظلمتش را آفتاب
گفت محصورِ صفِ اعداستم | درمیانِ سنگہا میناستم
با من آموز اے شہِ گردوں مکاں | زندگی کردن میانِ دشمناں
پیرِ دانائے کہ در ذاتش جمال | بستہ پیمانِ محبت با جلال
گفت اے نامحرم از رازِ حیات | غافل از انجام و آغازِ حیات
فارغ از اندیشۂ اغیار شو | قوتِ خوابیدۂ بیدار شو
سنگ چوں بر خود گمانِ شیشہ کرد | شیشہ گردید و شکستن پیشہ کرد

★ میں ان کے کمالات کا ایک قصہ بیان کرتا ہوں اور اس طرح ایک غنچہ میں گلشن کو سمیٹ کر پیش کرتا ہوں۔ (اس ایک واقعہ سے ان کی عظمت اور کمالات کا اندازہ ہو سکتا ہے۔)

★ ایک مرتبہ ایک نوجوان جو سرو کی طرح بلند قامت تھا۔ شہر مرو سے لاہور میں وارد ہوا۔

★ وہ حضرت سید مخدوم کی خدمت میں حاضر ہوا (جن کی بارگاہ بہت اونچی تھی) تاکہ ان کے آفتابی نور سے اپنی سیہ بختی (ظلمت) کو دور کر سکے۔

★ اس نے فریاد کرتے ہوئے کہا کہ میں دشمنوں کے نرغے میں گھرا ہوا ہوں اور میری حالت اس بلوریں جام کی سی ہے جو پتھروں کے درمیان گھر گیا ہو۔

★ اے گردوں وقار آقا میری رہنمائی کیجیے، اور ان سفاک دشمنوں کے درمیان زندگی بسر کرنے کا طریقہ بتائیے۔

★ اس پیر روشن ضمیر نے جن کی ذات میں جلال و جمال کا حسین امتزاج تھا،
(لطف و محبت نرمی و مروت بھی تھی اور رعب و دبدبہ اور ہیبت بھی)

★ فرمایا کہ ——— اے فرزند! تو رازِ حیات سے آگاہ نہیں ہے، اور حیات کے آغاز و انجام سے بھی بے خبر ہے۔

★ غیروں کے خوف اور ڈر کو اپنے دل سے نکال دے۔ تیری ذات ایک زبردست خوابیدہ قوت ہے۔ اپنی ذات کی اس فطری قوت کو بیدار کر اور خود بیدار ہو۔

★ جب پتھر کو یہ گمان ہوتا ہے کہ وہ پتھر نہیں شیشہ ہے تو وہ شیشہ بن جاتا ہے۔ اور پھر ٹوٹنے پھوٹنے لگتا ہے۔

ناتواں خود را اگر رہرو شمرد — نقدِ جانِ خویشتن با رہزن سپرد

تا کجا خود را شماری ماروطیں[1] — از گلِ خود شعلۂ طور آفریں

با عزیزاں سرگراں بودن چرا — شکوہ سنجِ دشمناں بودن چرا

راست میگویم عدو ہم یارِ تُست — ہستیٔ او رونقِ بازارِ تُست

ہر کہ دانائے مقاماتِ خودی است — فضلِ حق داند اگر دشمن قوی است

کشتِ انساں را عدو باشد سحاب — ممکناتش را برانگیزد ز خواب

سنگِ رہ آب است اگر ہمت قوی است — سیل را پست و بلندِ جادہ چیست

سنگِ رہ گردد فسانِ تیغِ عزم — قطعِ منزل امتحانِ تیغِ عزم

مثلِ حیواں خوردن آسُودن چہ سود — گر بخود محکم نۂ بودن چہ سود

---

[1] سورہ المومنون : (آیات ۱۲، ۱۳) وَلَقَدْ خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ مِنْ سُلٰلَةٍ مِّنْ طِيْنٍ ..... الخ - اور ہم نے اِنسان کو مٹی کے خلاصے (بست) سے پیدا کیا۔

سورہ انعام: (آیت: ۲) هُوَ الَّذِيْ خَلَقَكُمْ مِّنْ طِيْنٍ .... الخ - وہی تو ہے جس نے تم کو مٹی سے پیدا کیا۔ ☆☆

★ جب کوئی مسافر خود کو ناتواں خیال کر بیٹھتا ہے تو اس کا لازمی نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ وہ اپنی متاعِ جاں رہزن کے حوالے کر دیتا ہے۔

★ اے فرزند! تو کب تک خود کو آب و گِل کا تودہ تصور کرتا رہے گا۔ اُٹھ اور اپنی مشتِ خاک سے شعلۂ طور پیدا کر۔

★ اپنے عزیزوں سے یہ خفگی اور سرگرانی کیسی؟ اور اپنے دشمنوں کے خلاف یہ گِلے شِکوے کس لیئے ان سے کیا حاصل؟

★ میں سچ کہتا ہوں اور تجھے حق بات بتاتا ہوں کہ دشمن بھی ایک لحاظ سے تیرا دوست ہے۔ اس کی ہستی سے تیرے بازار کی رونق ہے۔

★ جو بھی محرمِ خودی ہے اور اس کے مقامات سے باخبر ہے وہ طاقتور دشمن کو خدا کا فضل تصور کرتا ہے۔

★ اِنسان کی کشتِ حیات کے لیے دشمن ابرِ بہار کے مانند ہوتا ہے۔ وہ اس کی خوابیدہ صلاحیتوں کو بیدار کرتا ہے۔

★ جب ہمت قوی ہوتی ہے تو راستے کا ہر پتھر پگھل کر پانی بن جاتا ہے۔ سیلاب کی نظر میں راہ کے نشیب و فراز کی کوئی حقیقت نہیں۔

★ راستے کا ہر پتھر (رکاوٹ) عزم کی تیغ کے لیے سان بن جاتا ہے۔ جس سے تیغ کی دھار اور تیز ہو جاتی ہے۔ منزل طے کرنے سے (کاٹنے سے) عزم کی تیغ کی آزمائش ہوتی ہے۔

★ حیوانوں کی طرح کھانا، پینا اور سونا کوئی معنی نہیں رکھتا۔ اگر تیری ذات (تیری خودی) محکم نہیں ہے تو تیرا زندہ رہنا فضول ہے۔

☆☆ سورہ فرقان: (آیت ۵۴) وَهُوَ الَّذِي خَلَقَ مِنَ الْمَاءِ بَشَرًا ۝
اور وہی تو ہے جس نے پانی سے آدمی کو پیدا کیا۔

Anjuman Taraqqi Urdu Hind

خویش را چوں از خودی محکم کنی　　تو اگر خواہی جہاں برہم کنی

گر فنا خواہی ز خود آزاد شو　　گر بقا خواہی بخود آباد شو

چیست مردن از خودی غافل شدن ^ا^　　تو چہ پنداری فراقِ جان و تن؟

در خودی کن صورتِ یوسف مقام　　از اسیری تا شہنشاہی خرام

از خودی اندیش و مردِ کار شو　　مردِ حق شو حاملِ اسرار شو

شرحِ راز از داستانہا می کنم　　غنچہ از زورِ نفس وا می کنم

"خوشتر آں باشد کہ سِرِّ دلبراں

گفتہ آید در حدیثِ دیگراں"

ا؎ ہو اگر خود نگر و خودگر و خودگیر خودی　　یہ بھی ممکن ہے کہ تو موت سے بھی مر نہ سکے

فرشتہ موت کا چھوتا ہے گو بدن تیرا　　ترے وجود کے مرکز سے دور رہتا ہے

یہ نکتہ میں نے سیکھا بوالحسن سے　　کہ جاں مرتی نہیں مرگِ بدن سے

☆☆

★ اگر تو اپنی ذات کو خودی سے مضبوط اور محکم کر لے تو عالم میں تہلکہ برپا کر سکتا ہے۔

★ اگر تو فنا چاہتا ہے تو اپنی ذات سے آزاد ہو جا یعنی اپنی خودی سے بیگانہ ہو جا۔ اگر بقا چاہتا ہے تو اپنی ذات میں آباد ہو جا یعنی خودی کو مستحکم بنا لے۔

★ موت کیا ہے؟ خودی سے غافل ہونا۔ تو سمجھتا ہے کہ تن سے جان کا جُدا ہونا موت ہے۔ اصل موت یہ ہے کہ اِنسان اپنی خودی سے بیگانہ ہو جائے۔

★ حضرت یوسفؑ کی طرح اپنی خودی کو قائم رکھ، اپنی خودی میں ڈوبا رہ اور اس کے نتیجے میں اسیری سے شہنشاہی اور زنداں سے مسندِ شاہی تک خوش خرامی کر۔

★ حضرتِ یوسفؑ کی طرح تو بھی اپنی خودی کی نگہداشت کر اور مردِ کار اور مردِ حق بن جا۔ اس کے نتیجے میں حیات کے اسرار تجھ پر ظاہر ہو جائیں گے۔

★ میرے سینے میں جو راز ہے اُسے میں قصّوں کے ذریعے واضح کروں گا اور اپنے نفسِ کلام سے اس غنچے کو پھول بناؤں گا۔

★ مولانا رومی کا ارشاد ہے کہ بہتر طریقہ تو یہ ہے کہ دلبروں کے راز دوسروں کے قصّوں

★ کے پردے میں بیان کیے جائیں۔ اِس طرح وہ زیادہ پرلطف و دلکش ہو جاتے ہیں۔

●●

☆☆ سمجھتا ہے تو راز ہے زندگی
فقط ذوقِ پرواز ہے زندگی
پریشاں ہو کے میری خاک آخر دل نہ بن جائے
جو مشکل اب ہے یارب پھر وہی مشکل نہ بن جائے

حکایت طائرے کہ از تشنگی بیتاب بود

طائرے از تشنگی بیتاب بود
در تنِ او دَم مثالِ موجِ دود

ریزۂ الماس در گلزار دید
تشنگی نظارۂ آب آفرید

از فریبِ ریزۂ خورشید تاب
مرغِ ناداں سنگ را پنداشت آب

مایہ اندوزِ نم از گوہر نشد
زد برو منقار و کامش تر نشد

گفت الماس اے گرفتارِ ہوس!
تیز بر من کردہ منقارِ ہوس

قطرۂ آبے نیم، ساقی نیم
من برائے دیگراں باقی نیم

قصدِ آزارم کنی دیوانۂ
از حیاتِ خود نما بیگانۂ

ایک پرندے کی حکایت جو تشنگی سے بیتاب تھا۔

★ ایک پرندہ پیاس سے بیتاب تھا۔ پیاس نے سینہ میں آگ سی لگا رکھی تھی، جس سے اس کے تن سے سانس بھی دھوئیں کی موج بن کر اٹھتی تھی۔

★ اچانک اُس نے باغ میں ایک الماس یعنی ہیرے کا ٹکڑا دیکھا۔ شدید تشنگی نے اس کے سامنے پانی کا نظارہ پیش کیا۔ (اس نے اسے پانی کا قطرہ سمجھا۔)

★ آفتاب کی روشنی میں چمکنے والے ریزے کو دیکھ کر نادان پرندے کو دھوکا ہوا۔ اُس نے پتھر کو پانی خیال کیا۔

★ وہ بے تحاشا ادھر لپکا اور اس پر چونچ ماری لیکن اس کا حلق تر نہ ہو سکا۔ وہ اس گوہر سے نمی (پانی کا سرمایہ) حاصل نہ کر سکا۔

★ اس کی اس نادانی پر الماس نے کہا کہ اے بوالہوس (ہوس پرست) تو نے عبث اپنی منقارِ ہوس مجھ پر تیز کی۔

★ میں پانی کا قطرہ نہیں ہوں اور نہ میں ساقی ہوں کہ دوسروں کو پانی پلاؤں۔ میں اس لیے زندہ نہیں ہوں کہ دوسرے مجھے لقمۂ تر بنائیں۔

★ اگر تو میرے آزار کا قصد رکھتا ہے تو یہ تیری دیوانگی ہے۔ شاید تو نہیں جانتا کہ حیاتِ خودنما (اپنے آپ کو نمایاں کرنے والی زندگی) یعنی مضبوطِ خودی کیا ہوتی ہے۔

آب مِن منقارِ مرغاں بشکند | آدمی را گوہرِ جاں بشکند
طائراز الماس کامِ دل نیافت | روئے خویش از ریزہ تابندہ یافت
حسرت اندر سینہ اش آباد گشت | در گلوے او نوا فریاد گشت
قطرۂ شبنم سرِ شاخِ گلے | تافت مثلِ اشکِ چشمِ بلبلے
تابِ او محوِ سپاسِ آفتاب | لرزہ بر تن از ہراسِ آفتاب
کوکبِ رم خوے گردوں زادۂ | یک دم از ذوقِ نمو استادۂ
صد فریب از غنچہ و گل خوردۂ | بہرۂ از زندگی نابردۂ
مثلِ اشکِ عاشقِ دلدادۂ | زیبِ مژگانے چکید آمادۂ
مرغِ مضطر زیرِ شاخِ گل رسید | در دہانش قطرۂ شبنم چکید

★ میرا پانی (چمک، جوہر، کاٹ) پرندوں کی منقار کو توڑ دیتا ہے۔ وہ آدمی کے گوہرِ جان کو بھی توڑ دیتا ہے، یعنی اِنسان اسے کھالے تو ہلاک ہو جاتا ہے۔

★ الغرض پرندہ اس الماس سے اپنا دِلی مقصد حاصل نہ کر سکا اور ناچار اس نے اس تابدار پتھر سے اپنا منہ موڑ لیا۔

★ اس کا سینہ حسرتوں سے بھر گیا۔ اور اس کے گلے میں نغمے فریاد بن گئے۔

★ اسی دوران ایک شاخِ گل پر شبنم کا قطرہ بلبل کی آنکھ کے آنسو کی طرح چمک رہا تھا۔

★ وہ اپنی چمک دمک کے لیے آفتاب کی شکر گزاری میں محو تھا۔ اور ساتھ ہی اس کی تپش کے خوف سے لرز بھی رہا تھا۔

★ ایسا لگ رہا تھا، جیسے کوئی آوارہ مزاج تارہ (آسمان زادہ) سیر کی غرض سے زمین پر اتر آیا ہے اور اپنی نمائش کے لیے شاخِ گل پر پل بھر کے لیے ٹھہر گیا ہے۔

★ اور وہ غنچہ و گل کے فریب کھاتا رہا ہے اور زندگی سے کوئی خاص لطف نہیں اُٹھا سکا ہے۔

★ یوں لگتا تھا جیسے وہ کسی دل گرفتہ عاشق کی آنکھ کا آنسو ہے جو اس کی پلک پر چمک رہا ہے اور ٹپکنے کو ہے۔

★ بیتاب پرندہ فوراً اس شاخِ گُل کے نیچے جا پہنچا اور شبنم کا قطرہ شاخِ گُل سے ڈھلک کر اس کے حلق میں ٹپک پڑا۔

اے کہ می خواہی ز دشمن جاں بری | از تو پُرسم قطرۂ یا گوہری؟

چوں ز سوزِ تشنگی طائر گداخت | از حیاتِ دیگرے سرمایہ ساخت

قطرہ سخت اندام و گوہر خُو نبود | ریزۂ الماس بود و او نبود

غافل از حفظِ خودی یک دم مشو | ریزۂ الماس شو، شبنم مشو

پختہ فطرت صورتِ کہسار باش | حاملِ صد ابرِ دریا بار باش

خویش را دریاب از ایجابِ خویش | سیم شو از بستنِ سیمابِ خویش

نغمۂ پیدا کن از تارِ خودی

آشکارا سازِ اسرارِ خودی

★ اے ہم نفس! اگر تو اپنے دشمن سے اپنی جان کی حفاظت چاہتا ہے تو میں تجھ سے ایک سوال کرتا ہوں کہ تو شبنم ہے یا گوہر؟

★ جب پرندہ پیاس کی آگ میں جلنے لگا تو اس نے دوسرے کی زندگی کو اپنے لیے" سرمایۂ حیات بنالیا۔

★ چونکہ شبنم کا قطرہ الماس کی طرح سخت اور مضبوط نہ تھا اس لیے ریزۂ الماس سلامت رہا اور قطرۂ شبنم فنا ہوگیا۔

★ اے ہم نفس! ایک لمحہ کے لیے بھی اپنی خودی کی حفاظت سے غافل نہ رہ۔ ریزۂ الماس بن، قطرۂ شبنم نہ بن۔

★ پہاڑ کی طرح خود میں پختگی اور صلابت پیدا کر اور اس کے نتیجے میں دریا دریا برسنے والے بادلوں کو اپنے دوش پر اُٹھالے۔

★ اپنی خودی کے اثبات سے اپنی حقیقت سے آگاہ ہو۔ تو سیماب ہے اسے جما کر چاندی بن جا۔ اپنی ذات میں صلابت پیدا کر کے خودی کا حامل بن جا۔

★ اپنی خودی کے تاروں سے نغمے پیدا کر
اور دُنیا پر خودی کے اسرار آشکار کر

● ●

حکایتِ الماس و زغال

از حقیقت باز بکشایم درے ‏ ‏ با تو میگویم حدیث دیگرے

گفت با الماس در معدن زغال ‏ ‏ اے امینِ جلوہ ہائے لازوال

ہمدمیم و ہست و بودِ ما یکیست ‏ ‏ در جہاں اصلِ وجودِ ما یکیست

من بکاں میرم ز دردِ ناکسی ‏ ‏ تو سرِ تاجِ شہنشاہاں رسی

قدرِ من از بدگلی کمتر ز خاک ‏ ‏ از جمالِ تو دلِ آئینہ چاک

روشن از تاریکیِ من مجمر است ‏ ‏ پس کمالِ جوہرم خاکستر است

پشتِ پا ہر کس مرا بر سر زند ‏ ‏ بر متاعِ ہستیم اخگر زند

کوئلے اور ہیرے کی حکایت

★ میں ایک اور قصہ سناتا ہوں تاکہ حقیقت تم پر واضح ہو جائے۔ (حقیقت کا دروازہ تم پر وا ہو جائے)

★ ایک مرتبہ ایک کان میں کوئلے نے الماس سے کہا کہ اے الماس! تو لازوال جلوؤں کا مالک ہے یعنی تو ہمیشہ چمکتا رہتا ہے۔

★ ہم دونوں ہمدم اور ساتھی ہیں۔ دونوں اسی کان میں رہتے سہتے ہیں۔ ہمارے وجود کی اصل بھی ایک ہے۔ یعنی ایک ہی شئے سے بنے ہیں۔

★ پھر بھی ہم دونوں میں بڑا فرق ہے۔ میں کان میں پڑا بے کسی کے غم میں مرتا رہتا ہوں اور تو ہے کہ بادشاہوں کے تاج کی زینت بنتا ہے۔

★ میری بدصورتی کی وجہ سے میری قدر و قیمت خاک سے بھی کمتر ہے اور تیرے حسن و جمال کو دیکھ کر آئینہ کا دل بھی چاک چاک ہو جاتا ہے۔

★ میری سیاہی سے انگیٹھی روشن ہوتی ہے۔ میرے جوہر کا یہی کمال ہے کہ جل کر راکھ بن جاؤں۔

★ ہر شخص مجھے اپنے پیروں تلے روندتا ہے (مجھے ٹھوکروں سے توڑتا ہے) اور میری متاعِ ہستی کو آگ (چنگاری) لگا کر خاک کر دیتا ہے۔

برسر و سامانِ من باید گریست | برگ و سازِ ہستیم دانی کہ چیست
موجۂ دودے بہم پیوستۂ | مایہ دارِ یک شرارِ جستۂ
مثلِ انجم روئے تو ہم خوئے تو | جلوہ ہا خیزد ز ہر پہلوئے تو
گاہ نورِ دیدۂ قیصر شوی | گاہ زیبِ دستۂ خنجر شوی
گفت الماس اے رفیقِ نکتہ بیں! | تیرہ خاک از پختگی گردد نگیں
تا بہ پیراموںِ خود در جنگ شد | پختہ از پیکار مثلِ سنگ شد
پیکرم از پختگی ذوالنور شد | سینہ ام از جلوہ ہا معمور شد
خوار گشتی از وجودِ خامِ خویش | سوختی از نرمیٔ اندامِ خویش
فارغ از خوف و غم و وسواس باش | پختہ مثلِ سنگ شو الماس باش

★ مجھے اپنی بے سرو سامانی پر رونا آتا ہے۔ میری زندگی کا ساز و سامان کیا ہے۔ (میرے وجود کی حقیقت کیا ہے)۔

★ بس دھوئیں کی ایک بل کھاتی ہوئی موج جو بلند ہو اور غائب ہو جائے۔ یا ایک اُڑتی ہوئی چنگاری جو پل میں چمک کر بجھ جائے۔ یہی کچھ میرا سرمایہ ہے۔

★ اس کے برعکس تیرا چہرہ اور فطرت دونوں ستارے کی طرح روشن ہیں۔ تیرے ہر پہلو سے جلوے نمایاں ہوتے ہیں۔

★ کبھی تو کسی قیصر کا منظورِ نظر (آنکھ کا نور) بنتا ہے اور کبھی کسی تیغ یا خنجر کے دستے کی زینت بنتا ہے۔

★ یہ سُن کر الماس نے کہا: اے میرے دانشمند دوست! تجھے معلوم ہونا چاہیے کہ جب تیرہ خاک (کوئلے) میں پختگی پیدا ہوتی ہے تو وہ انگشتری کا نگینہ بنتی ہے۔

★ جب وہ ایک عرصہ تک اپنے گرد و پیش سے جنگ کرتی ہے اور اس میں بتدریج صلابت اور پختگی پیدا ہوتی ہے تب وہ بیش قیمت پتھر بن جاتا ہے۔

★ میرا تن پختگی اور صلابت کی وجہ سے پر نور بنا ہے اور میرا سینہ جلووں سے معمور ہو گیا ہے۔

★ تو اپنے خام اور ناپختہ وجود کی وجہ سے ذلیل و خوار ہے اور اپنی نرم مزاجی اور نازک اندامی کی وجہ سے جل کر راکھ ہوتا ہے۔

★ لہٰذا یہ لازم ہے کہ ہر قسم کے خوف و ہراس اور غم و وسواس کو اپنے دل سے نکال دے اور پتھر کی طرح پختہ ہو اور الماس بن۔

می شود از وے دو عالم مستنیر
ہر کہ باشد سخت کوش و سخت گیر

مشتِ خاکے اصلِ سنگِ اسود است
کو سر از جیبِ حرم بیروں زد است

رتبہ اش از طور بالاتر شد است
بوسہ گاہِ اسود و احمر شد است

در صلابت آبروے زندگی است
ناتوانی ناکسی ناپختگی است

حکایت شیخ و برہمن و مکالمۂ گنگا و ہمالہ در معنی ایں کہ تسلسلِ حیاتِ ملیّہ از محکم گرفتن روایات مخصوصہ ملیّہ می باشد

در بنارس برہمنے محترم
سر فرو اندر یمِ بود و عدم

★ پس جو شخص سخت کوش اور سخت گیر ہوتا ہے اور جس کی خودی الماس کی طرح پختہ ہوتی ہے، اس کی ذات سے دونوں جہاں روشن ہوتے ہیں۔

★ "سنگِ اسود" کی اصل بھی مشتِ خاک ہی ہے۔ لیکن انہی خوبیوں کی بنا پر اس نے حرم کے گریبان سے سر باہر نکالا ہے۔

★ اس کا مرتبہ طور سے بھی زیادہ بلند ہے اور وہ دنیا بھر کے لوگوں کی بلا امتیاز رنگ و نسل بوسہ گاہ بنا ہوا ہے، تمام لوگ اسے چومتے اور آنکھوں سے لگاتے ہیں؛

★ پس صلابت اور پختگی میں زندگی کی آبرو ہے۔

اور ناتوانی کا نتیجہ خام کاری اور ذلّت و خواری ہے۔

حیاتِ ملّی کا تسلسل ملّت کی روایات پر مضبوطی سے قائم رہنے میں ہے۔

حکایت شیخ و برہمن اور مکالمۂ گنگا و ہمالہ

★ بنارس میں ایک بزرگ برہمن تھا۔ لوگ اس کا بڑا احترام کرتے۔ وہ ہمیشہ فکر میں غرق رہتا اور وجود و عدم اور فنا و بقا کی فلسفیانہ گتھیاں سلجھانے میں محو رہتا تھا۔

بہرۂ وافر ز حکمت داشتی   با خدا جویاں ارادت داشتی
ذہن او گیرائے ندرت کوش بود   با ثریا، عقلِ او ہمدوش بود
آشیانش صورتِ عنقا بلند   مہر و مہ بر شعلۂ فکرش سپند
مدّتے مینائے او در خوں نشست   ساقیٔ حکمت بجامش مے نہ بست
در ریاضِ علم و دانش دام چید   چشمِ دامش طائرِ معنی نہ دید
ناخنِ فکرش بخوں آلودہ ماند   عقدۂ بود و عدم نکشودہ ماند
آہ بر لب شاہدِ حرمانِ او   چہرہ غمّازِ دلِ حیرانِ او
رفت روزے نزدِ شیخِ کاملے   آنکہ اندر سینہ پرورد ے دلے
گوش بر گفتارِ آں فرزانہ داد   بر لبِ خود مہرِ خاموشی نہاد

★ وہ بہت بڑا حکیم اور دانشور تھا۔ اُسے عارفانِ حق سے بڑی عقیدت تھی۔

★ اس کا ذہن بڑا طباع، دوررس، ہمہ گیر اور جدّت طراز تھا۔ اس کی عقل کی پرواز ثریا کی ہمرکاب تھی۔

★ اس کا آشیانہ عنقا کی طرح بلند مقام پر تھا۔ اس کی فکر کی پرواز کی بلندی کا یہ عالم تھا کہ گویا چاند سورج اس کی فکر کی آگ پر (عود دان میں) سپند کے دانے تھے۔

★ ایک مدّت تک وہ غور و فکر میں خون کے جام لنڈھاتا رہا۔ لیکن ساقیٔ حکمت نے اس کے جام میں شرابِ حقیقت نہیں انڈیلی۔ (وہ اسرار کی گتھیاں سلجھانے میں ناکام رہا)

★ علم و دانش کے باغ میں اس نے مسلسل دام بچھائے لیکن اس میں کوئی بھی طائرِ معنی اسیر نہیں ہوا۔ (وہ اسرارِ حقیقت جاننے سے محروم رہا)۔

★ اس کی فکر کے ناخن لہولہان ہو کر رہ گئے، لیکن وجود و عدم کا عقدہ اس سے کھل نہ سکا۔ (اور وہ وجود و عدم اور فنا و بقا کا راز معلوم نہ کر سکا)

★ اُس کے لبوں پر مسلسل آہ رہتی جو اس کی ناکامی کا پتہ دیتی۔ اس کا چہرہ اس کے حیران و پریشان دل کی غمازی کرتا۔

★ آخر کار انتہائی نااُمیدی کے عالم میں ایک دن وہ ایک شیخ کامل کی خدمت میں پہنچا، جس کے سینہ میں روشن دل تھا۔

★ اس برہمن نے اپنے لبوں پر مہرِ خموشی لگالی۔ وہ خاموش بیٹھا رہا اور شیخ کی باتیں بگوشِ ہوش سنتا رہا۔

گفت شیخ اے طائفِ چرخِ بلند | اند کے عہدِ وفا با خاک بند
تا شدی آوارۂ صحرا و دشت | فکرِ بیباکِ تو از گردوں گذشت
باز میں در ساز اے گردوں نورد | در تلاشِ گوہرِ انجم مگرد
من نگویم از بُتاں بیزار شو | کافری شائستۂ زنّار شو
اے امانت دارِ تہذیبِ کہن | پشت پا بر مسلکِ آبا مزن
گر ز جمعیت حیاتِ ملّت است | کفر ہم سرمایۂ جمعیت است
تو کہ ہم در کافری کامل نۂ[1] | درخورِ طوفِ حریمِ دل نۂ
ماندہ ایم از جادۂ تسلیم دور | تو ز آذر من ز ابراہیمؑ دور
قیسِ ما سودائیِ محمل نشد | در جنونِ عاشقی کامل نشد

---

[1] وفاداری بشرطِ استواری اصلِ ایماں ہے | مرے بُتخانے میں تو کعبے میں گاڑو برہمن کو

شعلہ ہے ترے جنوں کا بے سوز | سُن مجھ سے یہ نکتۂ دل افروز
انجامِ خرد ہے بے حضوری | ہے فلسفہ زندگی سے دوری

★ شیخ نے اس سے خطاب کرتے ہوئے کہا کہ اے مردِ دانا اور آسمانوں کا طواف کرنے والے، کچھ دیر کے لیے زمین سے بھی پیمانۂ وفا استوار کر۔

★ جب سے تو دشت و صحرا میں بھٹکنے لگا ہے تیری بیباک فکر آسمان سے بھی آگے نکل گئی ہے۔

★ اے آسمانوں میں بھٹکنے والے، ستاروں کے گوہر تلاش کرنے کی بجائے زمین سے تعلق پیدا کر۔

★ میں یہ نہیں کہتا کہ بتوں سے بیزار ہو جا۔ میرا کہنا ہے کہ تو اگر کافر ہے تو شائستۂ زنّار بن، یعنی خود کو زنّار پہننے کے لائق بنا۔

★ تو پرانی تہذیب کا وارث اور امانت دار ہے۔ میری سُن اور اپنے آبا و اجداد کے مسلک کو نہ ٹھکرا۔ اپنی تہذیبی روایات اور طور طریق کو ترک نہ کر۔

★ اگر جمعیّت (جماعت بندی اور باہمی اتحاد) سے حیاتِ ملّی قائم رہتی ہے تو کفر بھی جمعیّت کا سروسامان بن سکتا ہے۔ (کفر بھی قومی زندگی کا سبب بن سکتا ہے)۔

★ لیکن افسوس تو اس بات کا ہے کہ تو کافری میں بھی کامل نہیں ہے اور "حریمِ دل" کے طواف کے قابل نہیں ہے۔ (دل اگر فکر سے خالی ہو تو فکری پرواز عبث ہے)۔

★ ہم سب ہی جادۂ تسلیم و وفا سے دور جا پڑے ہیں۔ تو آذر کے مسلک سے دور ہے اور میں ابراہیم کے مسلک سے دور ہوں۔

★ ہمارا قیس محمل کا سودائی نہ بن سکا اور عاشقی کے جنون میں کامل نہ بن سکا۔

مُرد چوں شمع خودی اندر وجود

از خیالِ آسماں پیما چہ سود

آب زد در دامنِ کہسار چنگ گفت روزے با ہمالہ رُودِ گنگ
اے ز صبحِ آفرینش تیغ بدوش پیکرت از رودہا زنّار پوش
حق ترا با آسماں همراز ساخت پات محرومِ خرامِ ناز ساخت
طاقتِ رفتار از پایت ربود ایں وقار و رفعت و تمکیں چہ سود
زندگانی از خرامِ پیہم است برگ و سازِ ہستیٔ موج از رم است
کوہ چوں ایں طعنہ از دریا شنید ہم چو بحرِ آتش از کیں بر دمید
گفت اے پہنائے تو آئینہ ام چوں تو صد دریا درونِ سینہ ام

★ جب تمھارے وجود کے اندر خودی کی شمع بُجھ چکی ہو تو

★ آسمانوں میں پرواز کرنے والے افکار سے کیا حاصل ؟

★ ایک دِن دریا نے کہسار کا دامن تھاما۔ یعنی دریائے گنگا نے ہمالہ سے کہا۔

★ اے ہمالہ تو روزِ آفرینش سے برف پوش ہے، اپنے کاندھے پر برف کے انبار لادے کھڑا ہے؛ اور ندیوں کے زنّار اپنے بدن پر ڈالے ہوئے ہے یعنی ندیوں کا منبع اور سرچشمہ ہے۔

★ خُدا نے تجھے آسمان کا ہمراز بنایا ہے، اتنی بلندی عطا کی کہ آسمان سے باتیں کرتا ہے، لیکن تیرے پاؤں کو خرامِ ناز سے محروم رکھا ہے۔

★ اس نے تیرے پاؤں سے طاقتِ رفتار چھین لی ہے۔ جب تو چل نہیں سکتا تو پھر یہ تیرا وقار یہ بلندی اور یہ شان وشوکت کس کام کی۔؟

★ زندگی تو خرامِ پیہم، مسلسل حرکت کا نام ہے۔ موج کی ہستی کا دارومدار حرکت ورفتار میں ہے۔ "چلنا چلنا مدام چلنا" ہی زندگی کا دستور ہے۔

★ جب پہاڑ نے دریا کا طعنہ سُنا تو مارے طیش کے آگ کے سمندر کی طرح جوش میں آگیا۔

★ اس نے کہا اے دریا! تیری پہنائی، تیرا پاٹ میرے لیے ایک معمولی آئینہ ہے۔ میرے سینے میں تجھ جیسے سینکڑوں دریا موجود ہیں۔

این خرامِ ناز سامانِ فناست — هر که از خود رفت شایانِ فناست
از مقامِ خود نداری آگهی — بر زیانِ خویش نازی ابلهی
اے ز بطنِ چرخِ گرداں زادہ — از تو بہتر ساحلِ افتادہ
ہستیٔ خود نذرِ قلزم ساختی — پیشِ رہزن نقدِ جاں انداختی
ہمچو گل در گلستاں خوددار شو — بہرِ نشرِ بُو پۓ گلچیں مرد
زندگی بر جائے خود بالیدن است — از خیابانِ خودی گل چیدن است
قرنہا بگذشت و من پا در رہِ گلم — تو گماں داری کہ دور از منزلم
ہستیم بالید و تا گردوں رسید — زیرِ دامانم ثریا آرمید
ہستیٔ تو بے نشاں در قلزم است — ذرۂ من سجدہ گاہِ انجم است

★ تیرا خرامِ ناز (جس پر تجھے فخر و ناز ہے) تیرے لیے سامانِ فنا ہے، کیونکہ جو بھی اپنی خودی سے بیگانہ ہو جاتا ہے یعنی اپنی ذات سے گزر جاتا ہے، اس کا انجام فنا ہوتا ہے۔

★ دراصل تجھے خود اپنے مقام کی خبر نہیں ہے۔ (تجھے پتہ نہیں کہ تیری روانی تجھے فنا کی گود میں پہنچا دے گی) اور تو ہے کہ اپنے زیاں اور خسارے پر فخر کر رہا ہے۔ یہ کتنی بڑی نادانی ہے

★ اگرچہ تو نے آسمان کی کوکھ سے جنم لیا ہے جبکہ تیرا وجود [illegible] ایک افتادہ ساحل بھی تجھ سے بہتر ہے، جو اپنی جگہ مضبوطی سے قائم ہے۔

★ تُو تو اپنی ہستی کو سمندر کی نذر کر دیتا ہے۔ گویا اپنی متاعِ جان کو رہزن کے حوالے کر دیتا ہے۔

★ گُل کی طرح گلستان میں اپنی خودداری پر قائم رہ۔ اپنی خوشبو پھیلانے کی خاطر گلچیں کے پیچھے نہ جا۔

★ زندگی اپنی ہی جگہ رہ کر پروان چڑھنے میں ہے۔ اپنی ذات کے استحکام میں پوشیدہ ہے اور اپنی خودی کی کیاری سے پھول چننے میں ہے۔

★ صدیاں گزر گئیں اور میں اپنی جگہ قائم ہوں، میرے ہاتھ پاؤں ایک جگہ جمے ہوئے ہیں اور تو سمجھتا ہے کہ میں منزل سے دور ہوں۔ یہ کیسی بدگمانی اور کج فہمی ہے۔

★ میری ہستی، میرا وجود بڑھتے بڑھتے آسمان تک جا پہنچا ہے اور اس کے نتیجے میں ثریا کے ستارے میرے دامن میں آرام کرتے ہیں۔

★ تیری ہستی سمندر میں جا کر معدوم اور بے نشان ہو جاتی ہے۔ اس کے برعکس میری چوٹی ستاروں کی سجدہ گاہ بنی ہوئی ہے۔

چشمِ من بینائے اسرارِ فلک — آشنا گوشم ز پروازِ ملک

تا ز سوزِ سعیِ پیہم سوختم — لعل و الماس و گہر اندوختم

"در درونم سنگ و اندر سنگ نار — آب را بر نارِ من نبود گذار"

قطرۂ؛ خود را بپائے خود مریز — در تلاطم کوش و با قلزم ستیز

آبِ گوہر خواہ و گوہر ریزہ شو — بہرِ گوشِ شاہدے آویزہ شو

یا خود افزا شو سبک رفتار شو — ابرِ برق انداز و دریا بار شو

از تو قلزم گدیۂ طوفاں کند — شکوہ ہا از تنگیِ داماں کند

کمتر از موجے شمارد خویش را

پیش پائے تو گذارد خویش را

★ میری آنکھیں افلاک کے اسرار دیکھتی ہیں اور میرے کان فرشتوں کی پرواز کی آواز سنتے ہیں۔

★ میں اِک زمانے تک سعیٔ پیہم، جہدِ مسلسل کی آگ میں جلا ہوں تب کہیں جا کر میرے سینے میں لعل و الماس اور جواہر کے ذخیرے جمع ہوئے ہیں۔

★ میرے سینے میں سنگ ہے، سخت چٹانیں ہیں اور سنگ میں آگ ہے۔ اور اس آگ تک پانی کا گزر ممکن نہیں۔

★ اگر تو قطرہ بھی ہو تو خود کو اپنے پاؤں پر آنسو کی طرح نہ گرا، بلکہ طوفان بن اور سمندر سے ٹکر لے۔

★ اپنے قطرے کے لیے گوہر کی چمک طلب کر اور گوہرِ آبدار بن اور پھر کسی شاہدِ جمیل کے کان کا آویزہ بن۔

★ یا پھر "خود افزا" (حاوی، ارفع اور ہمہ گیر) بن یعنی سُبک رو اور سُبک پرواز بن کر بادل بن جا۔ ایسا بادل جو بجلیاں گرائے اور دریا دریا پانی برسائے؛

★ تاکہ سمندر بھی تجھ سے طوفان کی بھیک مانگے اور تیری فیاضی اور دریادلی کے مقابلے میں اپنی تنگ دامانی کی شکایت کرے؛

★ اور اپنے آپ کو تیرے مقابل موج سے بھی کم تر اور کم مایہ خیال کرے اور خود کو تیرے قدموں میں لا ڈالے۔

در بیان این کہ مقصد حیاتِ مسلم اعلائے کلمۃ اللہ است و جہاد اگر محرکِ او جوع الارض باشد در مذہبِ اسلام حرام است

قلب را از صبغۃ اللہ رنگ دہ[۱] — عشق را ناموس و نام و ننگ دہ
طبع مسلم از محبت قاہر است — مسلم ار عاشق نباشد کافر است
تابعِ حق دیدنش نادیدنش — خوردنش نوشیدنش خوابیدنش
در رضایش مرضیِ حق گم شود[۲] — این سخن کے باور مردم شود
خیمہ در میدانِ اِلّا اللہ زدست[۳] — در جہاں شاہد علی الناس آمدست
شاہد حالش نبیِ انس و جاں — شاہدے صادق ترینِ شاہداں

---

۱ سورہ البقرہ (آیت ۱۳۸) صِبْغَةَ اللّٰهِ ج وَمَنْ اَحْسَنُ مِنَ اللّٰهِ صِبْغَةً وَّ نَحْنُ لَهٗ عٰبِدُوْنَ ○ کہہ دو کہ ہم نے اللہ کا رنگ اختیار کر لیا ہے اور اللہ سے بہتر رنگ کس کا ہو سکتا ہے، اور ہم اس کی عبادت کرنے والے ہیں۔

۲ سورہ انعام: آیت ۱۶۲۔ قُلْ اِنَّ صَلَاتِیْ وَنُسُکِیْ وَمَحْیَایَ وَمَمَاتِیْ لِلّٰهِ ☆☆

مُسلمان کی حیات کا مقصود اعلائے کلمۃ اللہ اور جہاد ہے لیکن اگر جہاد کا محرک "جوع الارض" (زمین کی بھوک = ملوکیت) ہے تو وہ اِسلام میں حرام ہے

★ اپنے قلب کو اللہ کے رنگ میں رنگ لے جو بہترین رنگ ہے اور اس طرح عشق کو ناموس اور عزّت و آبرو عطا کر۔

★ مسلمان کی فطرت محبّت کے سبب غالب رہتی ہے۔ اگر مُسلمان عاشق نہیں ہے تو کافر ہے۔

★ اس کا دیکھنا، نہ دیکھنا، کھانا پینا اور سونا غرض ہر کام خدا کی مرضی کے تابع ہوتا ہے۔

★ اس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ خدا کی مرضی، اس کی مرضی میں گم ہو جاتی ہے۔ لیکن ہم نے یہ جو بات کہی ہے اس کا کسے یقین آئے گا۔

★ ایسا شخص توحید (اِلاَّ اللہ) کے میدان میں اپنا خیمہ نصب کرتا ہے اور اس دنیا میں "شاہد علی النّاس" (لوگوں کے لیے حق کا گواہ) بن جاتا ہے۔

★ اور اس کے حال کے شاہد حضرت محمّد صلعم ہوتے ہیں جو نبیٔ انس و جاں ہیں اور شاہدین میں سب سے سچّے شاہد ہیں؛ (صادق ترین گواہ ہیں)۔

☆☆ رَبِّ الْعَالَمِیْنَ .... الخ۔ کہو بیشک میری نماز، میرا حج، میرا جینا میرا مرنا سب کچھ اللہ ہی کے لیے ہے۔

☆☆☆ مشہور حدیث جس میں فرمایا کہ بندہ نفلی عبادت سے میرا قرب حاصل کرتا ہے تو میں اس کے کان، آنکھیں، زبان اور ہاتھ بن جاتا ہوں۔ ☆☆☆

قال را بگذار و باب حال زن　　نور حق بر ظلمت اعمال زن

در قبائے خسروی درویش زی　　دیدہ بیدار و خدا اندیش زی

قرب حق از ہر عمل مقصود دار　　تا ز تو گردد جلالش آشکار

صلح شر گردد چو مقصود است غیر　　گر خدا باشد غرض جنگ است خیر

گر نہ گردد حق ز تیغ ما بلند　　جنگ باشد قوم را نا ارجمند

حضرت شیخ میاں میرؒ ولی　　ہر خفی از نور جان او جلی

بر طریق مصطفیٰ محکم پئے　　نغمۂ عشق و محبت را نئے

تربتش ایمان خاک شہر ما　　مشعل نور ہدایت بہر ما

بر در او جبّہ فرسا آسماں　　از مریدانش شہ ہندوستاں

☆☆☆ ہاتھ ہے اللہ کا بندۂ مومن کا ہاتھ　　غالب و کار آفریں کار کشا کار ساز

۲؎ سورہ البقرہ (آیت ۱۴۳) : وَكَذَٰلِكَ جَعَلْنَاكُمْ أُمَّةً وَسَطًا لِّتَكُونُوا شُهَدَاءَ عَلَى النَّاسِ وَيَكُونَ الرَّسُولُ عَلَيْكُمْ شَهِيدًا ۔ اور اسی طرح ہم نے تم کو اُمّتِ معتدل بنایا ہے تاکہ تم لوگوں پر گواہ بنو اور پیغمبر آخر الزّماں تم پر گواہ بنیں ۔

★ لہٰذا قال کو ترک کر اور حال کا دروازہ کھٹکھٹا (یعنی صاحبِ حال و عمل بن) اور ظلمتِ اعمال کو نورِ حق سے بدل دے۔

★ ہاں خسروی قبا میں درویشانہ زندگی بسر کر۔ اپنی آنکھ کو بیدار اور ہوشیار رکھ اور خوفِ خدا کو دل میں جگہ دے۔

★ تیرے ہر عمل کا مقصود رضائے حق اور قربِ الٰہی ہو۔ تاکہ تیری ذات سے اس کا جلال آشکارا ہو سکے۔

★ جب مقصود غیر اللہ ہو تو صلح بھی شر بن جاتی ہے اور اگر مقصود اللہ ہے تو جنگ بھی خیر بن جاتی ہے، کیونکہ اللہ کے لیے جنگ انسانیت کی بہبودی اور باطل شکنی ہی ہوتی ہے۔[1]

★ اگر ہماری تیغ سے حق کی سر بلندی نہیں ہوتی تو پھر ایسی جنگ قوم کے حق میں ذلت کی باعث ہے، مذموم اور ملعون ہے۔

★ حضرت شیخ میاں میرؒ جن کی روشن ضمیری اور نورِ قلب سے ہر خفی شے جلی بن کر نظر آتی تھی؛ (معرفت کے پوشیدہ اسرار عیاں ہو جاتے تھے)؛[2]

★ وہ ' طریقِ محمدیؐ (سنتِ رسولؐ) پر سختی سے گامزن تھے اور ہمیشہ عشقِ الٰہی کے نغمے گاتے تھے۔ (ایسی بانسری تھے جس سے عشقِ حق کے نغمے نکلتے تھے)۔

★ ان کی تربت ہمارے شہر کی خاک کے لیے ایمان کا گراں بہا سرمایہ ہے اور ہمارے لیے نورِ ہدایت کی مشعل ہے۔

★ ان کے آستانے پر آسمان بھی جبیں سائی کرتا ہے۔ ان کے مریدوں میں ہندوستان کا ایک بادشاہ بھی تھا۔

---

۱ سورہ البقرہ (آیات ۱۹۰ تا ۱۹۳) وقاتلوا فی سبیل اللہ .... الخ لا یحب المعتدین۔ جو لوگ تم سے لڑتے ہیں تم بھی خدا کی راہ میں ان سے لڑو، مگر زیادتی نہ کرنا کہ خدا زیادتی کرنے والوں کو دوست نہیں رکھتا۔

۲ حضرت شیخ میاں میرؒ: حضرت شیخ محمد میرؒ سندھی تھے۔ سیوستان آپ کا وطن تھا۔ ☆☆

شاہ تخمِ حرص در دل کاشتے ۔۔۔ قصدِ تسخیرِ ممالک داشتے

از ہوس آتش بجاں افروختے ۔۔۔ تیغ را ھَل مِن مَزِید آموختے

در دکن ہنگامہ ہا بسیار بود ۔۔۔ لشکرش در عرصۂ پیکار بود

رفت پیشِ شیخِ گردوں پایۂ ۔۔۔ تا بگیرد از دُعا سرمایۂ

مسلم از دنیا سوئے حق رم کند ۔۔۔ از دعا تدبیر را محکم کند

شیخ از گفتارِ شہ خاموش ماند ۔۔۔ بزمِ درویشاں سراپا گوش ماند

تا مریدے سکۂ سیمیں بدست ۔۔۔ لب کشود و مُہرِ خاموشی شکست

گفت ایں نذرِ حقیر از من پذیر ۔۔۔ اے ز حق آوارگاں را دستگیر

غوطہ ہا زد در خوئے محنت تنم ۔۔۔ تا گرہ زد درہمے را دامنم

☆☆ ۹۵۷ھ (۱۵۵۰ء) میں ولادت ہوئی اور ۱۰۴۵ھ (۱۱۲۵ء) میں وفات پائی۔ آپ کی حیاتِ پاک کا بیشتر حصہ لاہور میں گزرا۔ اور یہیں آپ کا مزارِ مبارک اس آبادی میں ہے جو آپ کے نام سے موسوم ہے۔

★ اس بادشاہ کے دِل میں حرص انگڑائی لینے لگی، (اُس نے حرص کا بیج دل میں بویا) اور پڑوسی ملکوں کی تسخیر کے منصوبے بنانے لگا۔

★ اس کے سینے (جان) میں ہوس کی آگ بھڑک اٹھی اور اس کی تیغ ھَلْ مَنْ مَزِیْد[۱] (کیا اور کچھ ہے؟) کے نعرے بلند کرنے لگی۔ یعنی اس کی ملک گیری کی ہوس بڑھنے لگی۔

★ اس کی وجہ سے دکن میں بہت سے ہنگامے برپا تھے اور اس کا لشکر جنگ میں مصروف تھا۔

★ لہٰذا وہ بادشاہ اپنے گردوں وقار شیخ کی خدمت میں حاضر ہوا تاکہ اس کی دُعاؤں سے فیض حاصل کر سکے، اور جنگوں میں کامیاب ہو۔

★ مُسلمان دنیا سے' دنیاوی معاملات میں حق کی جانب دوڑتا ہے تاکہ دعاؤں سے اپنی تدبیر کو مضبوط اور کامیاب بنائے۔

★ بادشاہ کی گزارش پر شیخ خاموش رہا۔ اہلِ محفل یعنی مریدانِ شیخ بھی خاموش تھے اور کلامِ شیخ کے منتظر تھے۔

★ آخرش ایک مُرید نے اپنے ہاتھ میں چاندی کا ایک سکّہ لے کر لب کشائی کی اور اس طرح مجلس کا سکوت توڑا۔

★ اس نے کہا: اے راہِ حق سے بھٹکنے والوں کی دستگیری کرنے والے (اے خضرِ راہ) مجھ غریب کا یہ حقیر نذرانہ قبول فرمائیے۔

★ میں نے بڑی محنت اور عرق ریزی سے یہ درہم کمایا ہے؛ (تن نے محنت کے پسینے میں کئی غوطے کھائے تب یہ درہم میرے دامن کی گرہ میں آیا)۔

---

[۱] ھل من مزید: سورہ ق (آیت ۳۰) یَوْمَ نَقُوْلُ لِجَهَنَّمَ هَلِ امْتَلَاْتِ وَتَقُوْلُ هَلْ مِنْ مَّزِيْدٍ ۝ اس دن ہم دوزخ سے پوچھیں گے کہ کیا تو بھر گئی؟ وہ کہے گی کچھ اور بھی ہے، یہاں (کچھ اور بھی ہے) بطور محاورہ استعمال کیا گیا ہے۔

گفت شیخ این زر حق سلطان ماست
آنکه در پیراهن شاهی گداست

حکمران مهر و ماه و انجم است
شاه ما مفلس ترین مردم است

دیده بر خوان اجانب دوخت است
آتش جوعش جهانے سوخت است

قحط و طاعون تابع شمشیر او
عالمے ویرانه از تعمیر او

خلق در فریاد از ناداریش
از تہی دستی ضعیف آزاریش

سطوتش اہل جہاں را دشمن است
نوع انساں کارواں او رہزن است

از خیال خود فریب و فکر خام
می کند تاراج را تسخیر نام

عسکر شاہی و افواج غنیم
ہر دو از شمشیر جوع او دو نیم

آتش جان گدا جوع گداست
جوع سلطاں ملک و ملت را فناست

★ اس پر شیخ نے فرمایا: اس پر تو ہمارے سلطان کا حق ہوتا ہے، جو شاہی لباس میں بھی بھکاری بنا ہوا ہے۔

★ اگرچہ وہ چاند، سورج اور ستاروں پر حکمرانی کر رہا ہے، یعنی ایک عظیم سلطنت کا حاکم ہے پھر بھی وہ دنیا کا سب سے زیادہ کنگال انسان ہے۔

★ اس نے اپنی نظریں غیروں کے دستر خوان یعنی پڑوسی حکومتوں پر لگا رکھی ہیں۔ اس کی ملک گیری کی ہوس کی آگ نے (بھوک نے) ایک جہان کو پھونک ڈالا ہے۔

★ اس کی شمشیر زنی اور غارتگری سے ملکوں میں قحط اور طاعون کی وبائیں پھوٹ پڑی ہیں۔ اور اس کی تعمیر (جہانگیری) کے خواب کے نتیجے میں ایک دنیا ویران ہوگئی ہے۔

★ اس کی ناداری نے وہ ستم توڑے ہیں کہ خلق نالہ و فریاد کر رہی ہے؛ اور اس کی مفلسی اور تہی دستی (دولت کی ہوس) کی وجہ سے کمزوروں پر ظلم ڈھائے جا رہے ہیں۔

★ اس کی شان و شوکت اہلِ جہاں کی دشمن بنی ہوئی ہے۔ بنی نوع انسان کے کاروان کا وہ رہزن اور لٹیرا بنا ہوا ہے۔

★ اس کی خود فریبی اور خام خیالی کا یہ عالم ہے کہ وہ لوٹ مار اور غارتگری کو تسخیر کا نام دیتا ہے۔

★ اس کی ملک گیری کی حرص کی تیغ سے غنیم کی فوجیں اور خود اس کا شاہی لشکر دونوں ہلاک ہو رہے ہیں۔

★ بھکاری کی بھوک اس کی جان کے لیے آگ بن جاتی ہے لیکن بادشاہ کی ملک گیری کی بھوک ملک و ملت دونوں کے لیے تباہ کن ہوتی ہے۔

LIBRARY
Anjuman Taraqqi Urdu (Hind)

ہر کہ خنجر بہرِ غیر اللہ کشید

تیغِ او در سینۂ او آرمید

اندرز میر نجات نقشبند المعروف بہ بابائے صحرائی که برائے مسلمانانِ ہندوستان رقم فرمودہ است

اے کہ مثلِ گُل ز گِل بالیدۂ		تو ہم از بطنِ خودی زائیدۂ

از خودی مگذر بقا انجام باش		قطرۂ می باش و بحرآشام باش

تو کہ از نورِ خودی تابندۂ		گر خودی محکم کنی پائندۂ

سود در جیبِ ہمیں سوداستے		خواجگی از حفظِ ایں کالاستے

ہستی و از نیستی ترسیدۂ		اے سرت گردم، غلط فہمیدۂ

★ جو بھی غیر اللہ (اللہ کے سوا کسی اور مقصد) کے لیے تیغ اٹھاتا ہے۔

انجام کار وہ تیغ اُسی کے سینہ میں پیوست ہو جاتی ہے۔

میر نجات نقشبند المعروف بہ بابائے صحرائی کے پند و نصائح جو اُنھوں نے ہندوستان کے مُسلمانوں کے لیے ارشاد کیے ہیں

★ اے فرزند! تو اسی مٹی سے پھُول کی طرح پیدا ہوا ہے۔ تجھے معلوم ہونا چاہیے کہ تو اسی کے ساتھ خودی کے بطن سے بھی پیدا ہوا ہے۔

★ لہٰذا اپنی خودی کو ترک نہ کر، اور بقا کو اپنا مقصود بنا۔ تو اگرچہ قطرہ ہے، باایں ہمہ "بحر آشام" بن، یعنی سمندر کو پینے کی صلاحیت پیدا کر۔

★ تو کہ خودی کے نور سے تابناک اور روشن ہے، اگر تو خودی کو محکم بنا لے گا تو پائندہ ہو جائے گا۔

★ بس یہی ایک ایسا سودا ہے جس میں منافع ہی منافع ہے۔ اگر تو نے اس جنس اور اس متاع کی حفاظت کی تو تجھے خواجگی (حکمرانی) حاصل ہو جائے گی۔

★ تو زندہ ہے۔ سراپا ہست ہے۔ پھر نہ جانے کیوں نیستی سے خوف کھاتا ہے۔ اے فرزند! (میں تیرے قربان جاؤں) تو نے حقیقت کو غلط سمجھا ہے۔

چوں خبر دارم ز سازِ زندگی ‏ ‏ ‏ ‏ ‏ ‏ ‏ با تو گویم چیست رازِ زندگی

غوطہ در خود صورتِ گوہر زدن [1] ‏ ‏ ‏ ‏ ‏ ‏ ‏ پس ز خلوت گاہِ خود سر بر زدن

زیرِ خاکستر شرار اندوختن ‏ ‏ ‏ ‏ ‏ ‏ ‏ شعلہ گردیدن نظرہا سوختن

خانہ سوزِ محنتِ چل سالہ شو ‏ ‏ ‏ ‏ ‏ ‏ ‏ طوفِ خود کن شعلۂ جوالہ شو

زندگی از طوفِ دیگر رستن است [2] ‏ ‏ ‏ ‏ ‏ ‏ ‏ خویش را بیت الحرم دانستن است

پَر زن و از جذبِ خاک آزاد باش ‏ ‏ ‏ ‏ ‏ ‏ ‏ ہمچو طائر ایمن از افتاد باش

تو اگر طائر نۂ اے ہوشمند ‏ ‏ ‏ ‏ ‏ ‏ ‏ بر سرِ غار آشیانِ خود مبند

اے کہ باشی در پئے کسبِ علوم ‏ ‏ ‏ ‏ ‏ ‏ ‏ با تو میگویم پیامِ پیرِ روم

"علم را بر تن زنی مارے بود ‏ ‏ ‏ ‏ ‏ ‏ ‏ علم را بر دل زنی یارے بود"

---

[1] زندگی انجمن آرا و نگہبانِ خود است ‏ ‏ ‏ ‏ ‏ ‏ ‏ اے کہ در قافلۂ بے ہمہ شو با ہمہ شو

زندگی در صدفِ خویش گہر ساختن است ‏ ‏ ‏ ‏ ‏ ‏ ‏ در دلِ شعلہ فرو رفتن و نگداختن است

[2] ہوا گر خود نگر و خود گر و خود گیر خودی ‏ ‏ ‏ ‏ ‏ ‏ ‏ یہ بھی ممکن ہے کہ تو موت سے بھی مر نہ سکے

☆☆

★ چونکہ میں زندگی کے ساز سے یعنی اس کی اصل حقیقت سے بخوبی واقف ہوں، اس لیے تجھے بتاتا ہوں کہ رازِ حیات کیا ہے؟

★ اور وہ ہے: موتی کی طرح اپنی ذات میں غوطہ لگانا اور پھر اپنی خلوت سے (صدف سے) باہر آنا (سر باہر نکالنا)۔

★ اپنی مشتِ خاک (خاکستر) میں چنگاریاں جمع کرنا پھر چنگاری سے شعلہ بن جانا اور دوسروں کی نگاہوں کو خیرہ کرنا۔ (نگاہوں کو جلانا)۔

★ اپنی چالیس سالہ محنت (کے گھر) کو آگ لگا دے اور خود کا طواف کر اور اس طرح شعلۂ جوالہ بن جا۔

★ غیر کے طواف سے نجات حاصل کرنا اور اپنی ذات کو بیت الحرم تصور کرنا ہی اصل حیات ہے۔

★ زمین کی وابستگی (دنیوی علائق) سے آزاد ہو اور بلندیوں میں پرواز کر اور پرندے کی طرح افتاد کے خوف سے بے نیاز ہو جا۔

★ اے دانشمند اگر تو پرندہ نہیں ہے تو پہاڑ کے غار میں اپنا آشیانہ مت بنا، (بلندی پر نشیمن بنانے کے لیے قوی بال و پر درکار ہیں)۔

★ اگر تو علوم کے حصول کا آرزومند ہے تو میں تجھے اپنے پیر مولانا روم کا پیغام سناتا ہوں۔ ان کا ارشاد ہے:

★ اگر تو علم کو تن پروری کی غرض سے حاصل کرے گا تو وہ تیرے حق میں "مار" (سانپ) بن جائے گا اور اگر دل کے لیے حاصل کرے گا تو وہ تیرا یارِ غار بن جائے گا۔

؎

☆☆ تڑپنا صورتِ پرواز کب تک
یہ ترکِ شیوۂ مردانہ کب تک

کبھی تو آپ اپنی آگ میں جل
طوافِ آتشِ بیگانہ کب تک

(اقبال)

آگہی از قصۂ اخوند روم — آنکہ داد اندر حلب درسِ علوم
پائے در زنجیر توجیہاتِ عقل — کشتیش طوفانیِ "ظلماتِ" عقل
موسیٰ، بیگانۂ سینائے عشق — بے خبر از عشق و از سودائے عشق
از تشکک گفت و از اشراق گفت — وز حکم صد گوہرِ تابندہ سفت
عقدہائے قولِ مشائیں کشود — نورِ فکرش ہر خفی را وا نمود
گرد و پیشش بود انبارِ کتب — بر لبِ او شرحِ اسرارِ کتب
پیرِ تبریزی ز ارشادِ کمال — جست راہِ مکتبِ ملا جلال
گفت ایں غوغا و قیل و قال چیست — ایں قیاس و وہم و استدلال چیست
مولوی فرمود ناداں لب بہ بند — بر مقالاتِ خردمنداں مخند

★ میں تجھے روم کے مشہور اُستاد مولانا جلال الدین رومی کا قصہ سناتا ہوں۔ وہ شہرِ حلب میں دینی علوم کا درس دیتے تھے۔

★ ان کے پاؤں عقلی دلائل کی زنجیروں میں جکڑے رہتے اور ان کی کشتی عقل کے ظلمات کے طوفان میں گھری رہتی۔

★ وہ ایسے موسیٰ تھے جو عشق کے طور سے بیگانہ تھے۔ وہ عشق اور عشق کے جنون سے بے خبر تھے، ظاہری علوم پر حاوی لیکن باطنی علوم سے بیگانہ تھے۔

★ وہ کبھی فلسفیوں کے مانند تشکک کی باتیں کرتے اور کبھی اشرافیوں کی طرح الٰہیات کے مسائل بیان کرتے اور علم و حکمت کے تابدار موتی رولتے۔

★ وہ کبھی مشائین یعنی ارسطو کے پیروؤں کے فلسفیانہ نکات کی گرہ کشائی کرتے اور اپنی روشن عقل سے ہر خفی (پوشیدہ نکتہ) اور مشکل گتھی کو سلجھاتے۔

★ ان کے اردگرد کتابوں کا انبار لگا رہتا اور ان کے لبوں پر کتابوں کے مشکل مسائل اور اسرار کی باتیں ہوتیں۔

★ ایسے زمانے میں شمس تبریز اپنے پیر بابا کمال الدین کے حکم سے مولانا جلال الدین رومی کے مدرسہ میں جا پہنچے۔

★ مولوی کی تقریر سُن کر انھوں نے کہا یہ کیسا شور اور قیل و قال ہے۔ یہ منطقی دلیلوں اور قیاس آرائیوں کا کیسا ہنگامہ برپا کر رکھا ہے۔

★ ان کی بیجا مداخلت پر مولوی نے کہا: او نادان، خاموش رہو! خردمندوں اور دانشوروں کی باتوں کی ہنسی نہ اُڑاؤ۔

پائے خویش از مکتبم بیروں گذار　　قیل و قال است ایں ترا با وے چہ کار

قالِ ما از فہمِ تو بالاتر است　　شیشۂ ادراک را روشنگر است

سوزِ شمس از گفتۂ ملّا فزود　　آتشے از جانِ تبریزی کشود

بر زمیں برقِ نگاہِ او فتاد　　خاک از سوزِ دمِ او شعلہ زاد

آتشِ دل خرمنِ ادراک سوخت　　دفترِ آں فلسفی را پاک سوخت

مولوی بیگانہ از اعجازِ عشق　　ناشناسِ نغمہائے سازِ عشق

گفت ایں آتش چساں افروختی　　دفترِ اربابِ حکمت سوختی

گفت شیخ اے مسلمِ زنّار دار　　ذوق و حال است ایں ترا با وے چہ کار

حالِ ما از فکرِ تو بالاتر است　　شعلۂ ما کیمیائے احمر است

★ ہمارے مدرسے سے چلے جاؤ! ہماری باتیں قیل و قال ہی سہی، عبث تکرار ہی سہی۔ تمھیں اس سے کیا۔

★ ہماری باتیں تمھاری فہم سے اونچی ہیں۔ وہ عقل و دانش کے شیشہ کو جلا بخشتی ہیں۔ یہ تمھارے بس کی نہیں ہیں۔

★ ملا کی باتوں نے شمس تبریز کے سینے کی آگ کو مشتعل کر دیا اور اُن کی جان سے آگ کی لپٹیں نکلنے لگیں۔

★ ان کی نگاہ بجلی بن کر زمین پر گری اور اُن کی سانس کی تپش سے خاک سے شعلے اٹھنے لگے۔

★ اُن کے دل کی آگ نے علم و حکمت کے خرمن، کتابوں کے انبار اور کتب خانے میں آگ لگا دی اور اس فلسفی کا سارا دفتر (کتب خانہ) جل کر خاک ہو گیا۔

★ مولوی عشق کے اعجاز سے ناآشنا تھے۔ وہ سازِ عشق کے نغموں سے بے خبر تھے۔

★ انھوں نے پوچھا: آپ نے یہ آگ کیوں کر لگائی ہے؟ اس آگ نے تو اہلِ حکمت کا سارا کتب خانہ (دفتر) پھونک کر رکھ دیا ہے۔

★ اس پر شیخ نے کہا: اے کہ تم مسلمان ہوتے ہوئے بھی زنار دار ہو۔ یہ قیل و قال کی نہیں بلکہ وجد و حال کی باتیں ہیں۔ تمھیں ان سے کیا سروکار؟

★ ہمارا حال تمھارے قیل و قال یعنی تمھاری فکر و حکمت سے بالا تر ہے۔ ہمارا شعلہ وہ کیمیا ہے جو مسِ خام کو کندن بنا دیتا ہے۔

ساختی از برفِ حکمت ساز و برگ　　از سحابِ فکر تو بارد تگرگ

آتشے افروز از خاشاکِ خویش　　شعلۂ تعمیر کن از خاکِ خویش

علمِ مسلم کامل از سوزِ دل است　　ا؎ معنئِ اسلام ترکِ "آفل" است

چوں ز بندِ آفل ابراہیمؑ رست

درمیانِ شعلہ ہا نیکو نشست

علمِ حق را در قفا انداختی　　بہرِ نانے نقدِ دیں در باختی

گرم رَو در جستجوئے سرمۂ　　واقف از چشمِ سیاہِ خود نۂ

آبِ حیواں از دمِ خنجر طلب　　از دہانِ اژدہا کوثر طلب

سنگِ اسود از درِ بتخانہ خواہ　　نافۂ مشک از سگِ دیوانہ خواہ

ا؎ سورہ الانعام (آیات ۷۶ سے ۷۹) ان آیات میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کے ان واقعات کا ذکر ہے جب کہ آپ نے تارے، چاند اور سورج کے طلوع ہونے اور غروب ہونے پر ان سے قطع نظر کرکے اللہ تعالیٰ تک پہنچنے کی ہدایت حاصل کی۔

فَلَمَّا جَنَّ عَلَيْهِ اللَّيْلُ رَاٰ كَوْكَبًا ج قَالَ هٰذَا رَبِّيْ ج فَلَمَّآ اَفَلَ قَالَ لَآ ☆☆

★ تم نے اپنا ساز و سامان "برفِ حکمت" سے بنایا ہے۔ تمھاری فکر کے بادل سے صرف اولے برستے ہیں۔

★ کمال تو جب ہے کہ کوئی اپنی خاشاک سے آگ روشن کرے اور اپنی خاک سے شعلے پیدا کرے۔

★ مسلمان کا علم سوزِ دل (عشق) سے ہی کمال حاصل کرتا ہے اور اسلام کے معنی ہیں "ترکِ افل" یعنی تمام ڈوبنے والوں (اللہ کے سوا تمام فانی اشیاء) سے ترکِ تعلق کرنا۔

★ جب حضرت ابراہیمؑ "آفلین" یعنی ڈوبنے والوں (ماسوا اللہ) کے بند سے آزاد ہوئے تو بے خطر نارِ نمرود میں کود پڑے (جا بیٹھے) اور بھڑکی ہوئی آگ گلزار بن گئی۔

★ اے مسلمان! تو نے علمِ حق کو پسِ پشت ڈال دیا ہے۔ تو نے ایک نان کے بدلے اپنی متاعِ دین کی بازی لگا دی ہے اور اسے کھو بیٹھا ہے۔

★ تو سرمہ کی تلاش میں بھٹک رہا ہے، سرگرداں ہے، لیکن تجھے خود اپنی سیاہ آنکھوں کی خبر نہیں۔

★ شمشیر کی دھار سے آبِ حیات طلب کر۔ اژدھے کے منہ سے آبِ کوثر طلب کر۔

★ بت خانہ کے دروازے سے سنگِ اسود طلب کر۔ پاگل کتے سے مشکِ نافہ طلب کر۔

☆☆ اُحِبُّ الْاٰفِلِیْنَ ہ جب رات نے ان کو پردۂ تاریکی میں ڈھانپ لیا تو آسمان میں ایک ستارہ نظر پڑا، کہنے لگے یہ میرا پروردگار ہے۔ جب وہ غائب ہو گیا تو کہنے لگے کہ مجھے غائب ہو جانے والے تو پسند نہیں۔

☆☆☆ بے خطر کود پڑا آتشِ نمرود میں عشق ؎ عقل ہے محوِ تماشائے لبِ بام ابھی

سوزِ عشق از دانشِ حاضر مجوے | کیفِ حق از جامِ ایں کافر مجوے
مدّتے محوِ تگ و دو بوده ام | رازدانِ دانشِ نو بوده ام
باغباناں امتحانم کرده اند | محرمِ ایں گلستانم کرده اند
گلستانے لاله زارِ عبرتے | چوں گُلِ کاغذ سرابِ نکہتے
تاز بندِ ایں گلستاں رسته ام | آشیاں بر شاخِ طوبیٰ بسته ام
دانشِ حاضر حجابِ اکبر است | بُت پرست و بُت فروش و بُت گر است
پا بزندانِ مظاہر بستهٔ | از حدودِ حس بروں ناجستهٔ
در صراطِ زندگی از پا فتاد | بر گلوئے خویشتن خنجر نہاد
آتشے دارد مثالِ لاله سرد | شعلهٔ دارد مثالِ ژاله سرد

☆☆☆ سوره انبیاء (آیات ۶۸، ۶۹) قَالُوا حَرِّقُوهُ ... وَسَلٰمًا عَلٰى اِبْرٰهِيْمَ ۝

تب وہ کہنے لگے کہ اگر تمھیں اس سے اپنے معبود کا انتقام لینا ہے اور کچھ کرنا ہے تو اس کو نذرِ آتش کرو اور اپنے معبودوں کی مدد کرو۔ ہم نے حکم دیا اے آگ سرد ہو جا اور ابراہیم پر موجبِ سلامتی بن جا۔

★ لیکن دانشِ حاضر سے عشق کا سوز ہرگز طلب نہ کر۔ اس کافر کے جام سے شرابِ حق اور اس کا سرور کبھی طلب نہ کر؛ کیونکہ یہ ناممکنات سے ہے۔

★ میں نے ایک زمانہ تک اس میدان میں تگ و دو کی ہے۔ جس کے نتیجے میں دورِ حاضر کے علم و دانش سے اچھی طرح باخبر ہوگیا ہوں اور اس کا رازداں بن گیا ہوں۔

★ اس گلستاں کے باغبانوں' دانشور استادوں نے میرا امتحان لیا ہے اور اس باغ کی ہر شے سے مجھے آگاہ کیا ہے اور دانش حاضر کے اسرار کا محرم بنایا ہے۔

★ میں تجھے بتاؤں کہ یہ ایسا گلستاں ہے جس میں صرف عبرت کے پھول کھلتے ہیں اور ان میں کاغذ کے پھولوں کی طرح نکہت کے سراب ہیں یعنی جو خوشبو سے بالکل عاری ہیں۔

★ جب سے میں نے اس گلستان کے زنداں سے آزادی حاصل کی ہے؛ (اور اس سے تعلق توڑا ہے) میں نے اپنا نشیمن شاخ طوبیٰ پر بنایا ہے۔

★ عصرِ حاضر کا علم اور اس کی دانش حجابِ اکبر ہے۔ وہ بت پرست، بُت گر اور بُت فروش ہے۔ (حق آگاہی اور حق پرستی کی بجائے باطل پرستی میں مبتلا ہے)۔

★ عصرِ حاضر کی دانش مظاہر کے زنداں میں اسیر ہے۔ مادیت کے قید خانہ میں پابہ زنجیر ہے اور محسوسات کی حدوں سے باہر نہیں نکل سکتی۔

★ وہ زندگی کی راہ میں ٹھوکر کھا کر گر پڑی ہے۔ اس نے اپنے گلے پر خود ہی خنجر رکھ دیا ہے۔ [1]

★ اس کی آگ لالہ کے داغوں کی طرح سرد ہے اور اس کے شعلے اولے کی طرح ٹھنڈے ہیں۔ اس میں عشق کی حرارت اور سوز بالکل نہیں ہے۔

---

[1] تمھاری تہذیب اپنے ہاتھوں سے آپ ہی خودکشی کرے گی
جو شاخِ نازک پہ آشیانہ بنے گا ناپائیدار ہوگا

فطرتش از سوزِ عشق آزاد ماند　　در جهانِ جستجو ناشاد ماند

عشق افلاطونِ علتہائے عقل　　بہ شود از نشترش سودائے عقل

جملہ عالم ساجد و مسجودِ عشق　　سومناتِ عقل را محمود عشق

این مئے دیرینہ در میناش نیست

شورِ یارب، قسمتِ شبہاش نیست

قیمتِ شمشاد خود نشناختی　　سروِ دیگر را بلند انداختی

مثلِ نَے خود را ز خود کردی تہی　　بر نوائے دیگراں دل می نہی

اے گدائے ریزہ از خوانِ غیر　　جنسِ خود می جوئی از دکّانِ غیر

بزمِ مُسلم از چراغِ غیر سوخت　　مسجدِ او از شرارِ دیر سوخت

★ اس کی طبیعت (فطرت) عشق کے سوز سے محروم ہے۔ لہٰذا جستجو کے میدان میں اور حقائق کی تلاش میں وہ ناکام اور نامراد ہے۔

★ دراصل عشق ہی عقل کی تمام بیماریوں یعنی جملہ علتوں کا معالج ہے۔ عقل کا سوداوی مادہ اور عقل کی دیوانگی اس کی نشتر زنی سے ہی دور ہو سکتی ہے۔

★ تمام دنیا ساجد ہے، عشق کے آستانے پر جبیں سائی کرتی ہے اور عشق مسجود ہے۔ عشق وہ محمود ہے جو عقل کے سومنات کے طلسم کو مسمار کرتا ہے۔

★ دانشِ حاضر کے جام میں عشق کی پرانی شراب نہیں ہے۔ اس کی شبوں کی قسمت میں عشقِ الٰہی کا سوز و ساز اور شور نہیں ہے۔

★ اے مسلمان! تو نے اپنے سرو اور شمشاد کی قدر و قیمت کو نہیں جانا۔ لہٰذا دوسروں کے سرو کو اپنے سے زیادہ اونچا سمجھ بیٹھا ہے۔

★ تو نے بانسری کی طرح خود کو اپنی "خودی" سے تہی اور بیگانہ کر لیا ہے۔ لہٰذا دوسروں کے نغموں پر فریفتہ ہو رہا ہے، اور ان کو دل دے بیٹھا ہے۔

★ اے فرزند! تو غیروں کے دسترخوان کے جھوٹے ٹکڑوں کی بھیک مانگتا ہے اور غیروں کی دکان میں اپنی جنس تلاش کرتا ہے۔

★ افسوس! غیر کے چراغ سے بزمِ مسلم کو آگ لگ گئی ہے اور اس کی مسجد بت خانہ کی چنگاریوں سے جل کر خاک ہو گئی ہے۔

از سوادِ کعبه چون آہو رمید ناوکِ صیّاد پہلویش درید

شد پریشاں برگِ گل چوں بوئے خویش اے ز خود رم کردہ باز آ سوئے خویش

اے امینِ حکمتِ اُمّ الکتاب ۱ وحدتِ گم گشتۂ خود باز یاب

ما کہ دربانِ حصارِ ملّتیم کافر از ترکِ شعارِ ملّتیم

ساقیٔ دیرینہ را ساغر شکست بزمِ رندانِ حجازی بر شکست

کعبہ آباد است از اصنامِ ما خندہ زن کفر است بر اسلامِ ما

شیخ در عشقِ بتاں اسلام باخت رشتۂ تسبیح از زنّار ساخت

پیرہا پیر از بیاضِ مو شدند سخرۂ بہرِ کودکانِ کو شدند

دل ز نقشِ لَآ اِلٰہ بیگانۂ از صنم ہائے ہوس بتخانۂ

---

۱ امینِ حکمت : سورہ آل عمران (آیت ۱۶۴) لَقَدْ مَنَّ اللّٰہُ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ اِذْ بَعَثَ فِيْهِمْ رَسُوْلًا مِّنْ اَنْفُسِهِمْ يَتْلُوْا عَلَيْهِمْ اٰيٰتِهٖ وَيُزَكِّيْهِمْ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ ج ☆☆

★ لہٰذا جب ہرن کعبہ کی حدوں (گردونواح) سے بھاگ نکلا تو صیاد کے تیر نے اس کے سینہ (پہلو) کو چیر کر ہلاک کر دیا۔

★ اپنی خوشبو کی طرح پھول کی پتیاں بھی بکھر گیئں۔ اے دوست تو اپنی ذات سے بھاگ پڑا ہے۔ (اپنے آپ سے گریزاں ہے) پھر سے اپنی طرف لوٹ آ۔

★ تو قرآن پاک "ام الکتاب" کی حکمت (تعلیمات) کا امانت دار ہے۔ اُٹھ اور اپنی کھوئی ہوئی وحدت کو پھر سے حاصل کر۔

★ ہم کہ ملتِ بیضا کے حصار کے پاسبان ہیں، دراصل ملت کے شعار کو ترک کر کے کافر بن گئے ہیں۔

★ اب حال یہ ہے کہ ہمارے دیرینہ ساقی کا ساغر ٹوٹ گیا ہے اور رندانِ حجازی کی محفل درہم برہم ہو گئی ہے۔

★ ہم نے کعبہ کو اپنے نت نئے بتوں سے آباد کر رکھا ہے، جس کی وجہ سے کفر اسلام کی ہنسی اُڑا رہا ہے۔

★ ہمارے شیخ (مذہبی پیشواؤں) نے بتوں کے عشق میں اسلام کی بازی لگا دی ہے اور زنار سے اپنی تسبیح کا رشتہ بنا لیا ہے۔

★ ہمارے نام نہاد صوفی محض سفید بالوں کے بل بوتے پر پیر بن بیٹھے ہیں، اور گلی کوچوں کے بچوں کے لیے ہنسی اور ٹھٹھول کا سامان بن گئے ہیں۔

★ ان کے دل لَآ اِلٰہ (توحید) کے نقش سے بیگانہ ہیں اور ہوا و ہوس کے اصنام سے بُت خانہ بنے ہوئے ہیں۔

☆☆ خُدا نے مومنوں پر بڑا احسان کیا ہے کہ ان میں انھیں میں سے ایک پیغمبر بھیجا جو ان کو خدا کی آیتیں پڑھ پڑھ کر سناتے اور ان کو پاک کرتے اور خدا کی کتاب اور دانائی سکھاتے ہیں، (اور پہلے تو یہ لوگ صریح گمراہی میں تھے)۔

می شود ہر مُو دراز ے خرقہ پوش | آہ ازیں سوداگرانِ دیں فروش
با مریداں روز و شب اندر سفر | از ضرورت ہائے ملّت بیخبر
دیدہ ہا بے نور مثلِ نرگس اند | سینہ ہا از دولتِ دِل مفلس اند
واعظاں ہم صوفیاں منصب پرست | اعتبارِ ملّتِ بیضا شکست
واعظِ ما چشم بر بتخانہ دوخت | مفتیِ دینِ مبیں فتوےٰ فروخت

چیست یاراں بعد ازیں تدبیرِ ما
رُخ سوئے میخانہ دارد پیرِ ما [1]

---

[1] دوش از مسجد سوئے میخانہ آمد پیرِ ما
چیست یارانِ طریقت بعد ازیں تدبیرِ ما (حافظ)

★ ہر لمبی ریش اور بالوں والا شخص گدڑی پہن کر صوفی بن بیٹھا ہے۔ افسوس ہے ان ریاکار تاجروں پر جو دین کو بیچتے پھرتے ہیں۔

★ وہ اپنے مریدوں کے ہمراہ دن رات سفر کرتے رہتے ہیں۔ انھیں ملت کے تقاضوں کی نہ تو خبر ہے اور نہ کوئی پرواہ!

★ ان کی آنکھیں نرگس کی طرح بے نور ہیں۔ اور ان کے سینے دولتِ دل سے محروم ہیں؛ (آنکھیں بے نور اور سینے بے سوز ہیں)۔

★ کیا صوفی اور کیا واعظ سبھی جاہ و منصب کے پرستار ہیں۔ انھوں نے ملتِ بیضا (ملتِ اسلامی) کی عزت و حرمت کو چور چور کر دیا ہے۔

★ واعظانِ قوم نے بُت خانوں پر اپنی نگاہیں گاڑ رکھی ہیں۔ انھیں مرکزِ نگاہ بنا رکھا ہے۔ ہمارے مفتی فتوے فروخت کر کے دینِ مبین کی تذلیل کر رہے ہیں۔

★ یارو! ہمارے پیرو مرشد نے میخانے کی جانب قدم بڑھائے ہیں۔
(راہِ راست سے بھٹک گیا ہے)۔ اب بتاؤ کہ ایسی حالت میں کیا
کرنا چاہیے یعنی ہم کیا تدبیر کریں؟

● ●

الوقت سیفٌ

سبز بادا خاکِ پاکِ شافعیؒ ؎ | عالمے سرخوش ز تاکِ شافعیؒ
فکرِ او کوکب ز گردوں چیدہ است | سیفِ بُرّاں وقت را نامیدہ است
من چہ گویم سرِّ ایں شمشیر چیست | آبِ او سرمایہ دار از زندگی است
صاحبش بالاتر از امید و بیم | دستِ او بیضاتر از دستِ کلیم
سنگ از یک ضربتِ او تر شود | بحر از محرومئ نم بر شود
در کفِ موسیٰ ہمیں شمشیر بود | کارِ او بالاتر از تدبیر بود
سینۂ دریائے احمر چاک کرد | قلزمے را خشک مثلِ خاک کرد

؎ آسماں تیری لحد پر شبنم افشانی کرے
سبزۂ نورستہ اس گھر کی نگہبانی کرے

وقت شمشیر ہے

★ خدا امام شافعیؒ[1] کی خاک پاک کو ہمیشہ سرسبز و شاداب رکھے۔ ان کی فکر کی (تاک) شراب سے سارا عالم سرشار ہے۔

★ ان کی فکر نے آسمان سے (علم و دانش کے) تارے توڑ لائے ہیں۔ انھوں نے وقت کو "اَلْوَقْتُ سَیْفٌ قَاطِعٌ" کہا ہے، یعنی وقت ایک تلوار ہے۔

★ میں کیا بتاؤں کہ وقت کی تلوار میں کیا راز ہے۔ اس کی دھار (آب) میں زندگی کا سرمایہ ہے۔ وقت کی تلوار اور زندگی میں گہرا ربط ہے۔

★ جس کے ہاتھ میں یہ تلوار ہو وہ امید و بیم اور خوف و رجا سے بے نیاز ہو جاتا ہے۔ جس کے ہاتھ میں یہ تلوار ہو وہ دستِ موسیٰ (ید بیضا) سے زیادہ روشن ہوتا ہے۔

★ اس کی ایک ضرب سے عصائے موسیٰ کی طرح پتھر سے پانی کے چشمے ابل پڑتے ہیں اور سمندر کا پانی بحرِ احمر کی طرح' خشک ہو جاتا ہے۔

★ موسیٰ علیہ السلام کے ہاتھ میں یہی شمشیر تھی، جس نے وہ اعجاز کر دکھائے ہیں جو عقلی تدابیر سے بالاتر ہیں۔

★ اسی شمشیر سے حضرتِ موسیٰؑ نے بحرِ احمر کے سینہ کو چاک کیا اور سمندر کو خاک کی طرح خشک کر دیا۔

---

[1] امام شافعیؒ: بنی امیہ اور بنی عباس کے دور میں دوسری صدی ہجری کے آغاز سے تقریباً چوتھی صدی ہجری تک قرآن و حدیث کے علوم میں تحقیق، اجتہاد اور تدوین کا کام پوری طاقت سے ساتھ جاری رہا۔ اس دور کے مجددینِ دین میں چار بزرگ — امام ابو حنیفہؒ، امام مالکؒ، امام شافعیؒ اور امام احمد بن حنبلؒ شامل ہیں، ☆☆

پنجۂ حیدرؓ کہ خیبر گیر بود | قوّتِ او از ہمیں شمشیر بود
گردشِ گردونِ گرداں دیدنی است | انقلابِ روز و شب فہمیدنی است
اے اسیرِ دوش و فردا در نگر | در دلِ خود عالمِ دیگر نگر
در گِلِ خود تخمِ ظلمت کاشتی | وقت را مثلِ خطے پنداشتی
باز با پیمانۂ لیل و نہار | فکرِ تو پیمود طولِ روزگار
ساختی ایں رشتہ را زنّارِ دوش | گشتۂ مثلِ بتاں باطل فروش
کیمیا بودی و مشتِ گِل شدی | سرِّ حق زائیدی و باطل شدی
مسلمی؟ آزادِ ایں زنّار باش | شمعِ بزمِ ملّتِ احرار باش
تو کہ از اصلِ زماں آگہ نۂ | از حیاتِ جاوداں آگہ نۂ

☆☆ جن کی طرف آج فقہ کے چاروں مسلک منسوب ہیں۔ ان حضرات نے اپنی گہری بصیرت اور غیر معمولی ذکاوت و ذہانت سے ایسے مکاتبِ تحقیق پیدا کیے جن کی زبردست طاقت سات آٹھ صدیوں تک مجتہدین پیدا کرتی رہی۔ ان بزرگوں نے یہ سارا کام شاہی نظامِ حکومت کی امداد کے بغیر سخت مقابلہ کر کے انجام دیا اور اس سلسلے میں ☆☆☆

★ حضرت علیؓ حیدرِ کرار جنھوں نے خیبر جیسے ناقابلِ تسخیر قلعے کو فتح کیا تھا، ان کے بازو کی قوت بھی اسی وقت کی شمشیر کی وجہ سے تھی۔

★ گردونِ گرداں یعنی آسمان کی گردش دیکھنے کے قابل ہے، اور شب و روز کے انقلاب کو سمجھنے کی ضرورت ہے۔

★ اے ہمدم! تو شب و روز کا اسیر ہے (جو حقیقی وقت نہیں ہے) اِک ذرا اپنے دل میں جھانک کر دیکھ تجھے دوسرا ہی عالم نظر آئے گا (ایک دوسرا وقت نظر آئے گا جو حقیقی ہے)۔

★ تو نے اپنی خاک میں تیرگی کا بیج بویا ہے۔ تو وقت کو ایک سیدھی لکیر سمجھ بیٹھا ہے۔

★ پھر تیری فکر نے وقت کے لیے دن رات کو پیمانہ بنالیا اور اس سے زمانے کے طول کو ناپنے لگی۔

★ تو نے اس رشتہ کو اپنے گلے کا زنار (جنیو) بنا لیا اور بتوں کی طرح باطل فروش بن بیٹھا۔

★ تو کیمیا تھا لیکن وقت کے اس تصور کو قبول کر کے خاک بن گیا۔ تو سرِ حق بن کر آیا تھا، رازِ حق بن کر پیدا ہوا تھا، لیکن باطل بن کر رہ گیا۔

★ اگر تو مسلمان ہے تو اس زنار سے آزاد ہو جا، اور ملتِ احرار کی شمعِ بزم اور رونقِ محفل بن جا۔

★ چونکہ تو زمان کی اصل حقیقت سے واقف نہیں ہے، اس لیے حیاتِ جاوداں سے بھی ناآشنا ہے۔

☆☆☆ ایسی تکلیفیں اٹھائیں جن کے تصور ہی سے رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں۔

امام شافعیؒ ۱۵۰ھ (۷۶۷ء) میں تولد ہوئے اور ۲۴۰ھ (۸۵۴ء) میں وفات پائی۔ ائمۂ اربعہ میں آپ کا شمار ہوتا ہے۔

تا کجا در روز و شب باشی اسیر [1] رمزِ وقت از لی مع اللہ یاد گیر

این و آں پیداست از رفتارِ وقت زندگی سرّیست از اسرارِ وقت

اصلِ وقت از گردشِ خورشید نیست وقت جاوید است و خور جاوید نیست

عیش و غم عاشور و ہم عید ست وقت سرِّ تابِ ماہ و خورشید است وقت

وقت را مثلِ مکاں گسترده امتیازِ دوش و فردا کرده

اے چو بُو رم کرده از بستانِ خویش ساختی از دستِ خود زندانِ خویش

وقتِ ما کو اوّل و آخر ندید از خیابانِ ضمیرِ ما دمید

زنده از عرفانِ اصلش زنده تر ہستیٔ او از سحر تابنده تر

زندگی از دہر و دہر از زندگی است
لَا تَسُبُّوا الدَّهْرَ فرمانِ نبی است

---

[1] حدیث شریف: لی مع اللہ وقتٌ لا یسعنی فیہ نبیٌ مرسلٌ ومَلکٌ مقرّبٌ۔ یعنی بعض اوقات اللہ تعالیٰ کے ساتھ مجھے ایسا روحانی قرب حاصل ہوتا ہے کہ اس میں نہ کوئی مرسل نبی بار پا سکتا ہے نہ کوئی مقرب فرشتہ (گویا آپ پر ایسی کیفیت طاری ہوتی تھی کہ آپ زمان و مکان سے بالاتر ہو جاتے تھے)۔

★ تو کب تک روز و شب کی زنجیر میں اسیر رہے گا۔ پیمائشی وقت کے تصور میں گرفتار رہے گا۔ وقت کے راز کو حضور اکرمؐ کی حدیث لِیْ مَعَ اللّٰہِ وَقْتٌ کی روشنی میں سمجھنے کی کوشش کر۔

★ دنیا کی تمام چیزیں (این وآن) وقت کی رفتار سے نمایاں ہیں۔ زندگی بھی وقت کے اسرار میں سے ایک راز ہے۔

★ اصل وقت خورشید کی گردش سے نہیں ہے، کیونکہ وقت تو جاوداں ہے اور خورشید جاوداں نہیں ہے۔ خورشید فانی ہے۔ وقت جاودانی ہے۔

★ وقت عیش بھی ہے اور غم بھی۔ وہ عید بھی ہے اور عاشورہ بھی۔ وقت ہی چاند اور سورج کی روشنی کا اصل راز ہے' (یا سبب ہے)۔

★ تو نے وقت کو مکان (Space) کی طرح پھیلی ہوئی شے سمجھ لیا ہے۔ جیسے کوئی بنا بنایا ہوا راستہ ہو، اور آج اور کل میں فرق و امتیاز کرنے لگا ہے۔

★ اے کہ تو خوشبو کی طرح اپنے باغ سے گریزاں ہے۔ تو نے اپنے ہاتھوں سے اپنا زنداں بنا لیا ہے۔

★ ہمارا وقت وہ ہے جس کی ابتدا ہے نہ انتہا اور جو ہمارے ضمیر کی کیاری سے پیدا ہوتا ہے۔

★ جس زندہ انسان کو اس کی حقیقت کا عرفان ہوتا ہے وہ زندہ تر ہو جاتا ہے۔ اور اس کی ہستی صبح سے بھی زیادہ روشن اور پرنور ہو جاتی ہے۔

★ زندگی دہر سے ہے اور دہر زندگی سے۔ اور رسولِ اکرمؐ کا ارشاد ہے کہ زمانہ کو برا نہ کہو، کیونکہ زمانہ خدا ہے، یعنی خدا کی اہم صفت ہے۔ ؎

؎ لَا تَسُبُّوا الدَّهْرَ فَاِنَّ اللّٰهَ هُوَ الدَّهْرُ ۝

یعنی زمانے کو برا مت کہو کیونکہ بلاشبہ اللہ ہی زمانہ ہے (یعنی خدا کی اعلیٰ صفت ہے)

نکتہ می گویمت روشن چو دُر   تا شناسی امتیازِ عبد و حُر

عبد گردد یاوہ در لیل و نہار ۱؎   در دلِ حُر یاوہ گردد روزگار

عبد از ایّام می بافد کفن   روز و شب را می تند بر خویشتن

مردِ حُر خود را ز گِل بر می کند   خویش را بر روزگاراں می تند

عبد چوں طائر بدامِ صبح و شام   لذّتِ پرواز بر جانش حرام

سینۂ آزادۂ چابک نفس   طائرِ ایّام را گردد قفس

عبد را تحصیلِ حاصل فطرت است   وارداتِ جانِ او بے ندرت است

از گراں خیزی مقامِ او ہماں   نالہ ہائے صبح و شامِ او ہماں

دمبدم نو آفرینی کارِ حُر ۲؎   نغمہ پیہم تازہ ریزد تارِ حُر

۱؎ مہر و مہ و انجم کا محاسب ہے قلندر   ایام کا مرکب نہیں راکب ہے قلندر

کافر کی یہ پہچان کہ آفاق میں گم ہے   مومن کی یہ پہچان کہ گم اس میں ہیں آفاق

۲؎ ہر روز نیا طور نئی برق تجلّی   اللہ کرے مرحلۂ شوق نہ ہو طے

★ میں تجھے ایک نکتہ بتاتا ہوں جو موتی کی طرح روشن ہے اور جس سے تجھے آزاد اور غلام کا فرق معلوم ہو جائے گا۔

★ غلام گردشِ لیل و نہار (یعنی زمانہ) میں گم ہو کر رہ جاتا ہے اور آزاد کے دل میں زمانہ گم ہو جاتا ہے۔

★ غلام شب و روز کے تانے بانے سے ایام کا کفن بُنتا ہے اور اسے پہن کر ریشم کے کیڑے کی طرح زندہ لاش بن کر رہ جاتا ہے۔ وہ حالات کے سامنے سپر ڈال دیتا ہے۔

★ لیکن آزاد اپنے آپ کو مٹی سے باہر نکالتا ہے۔ مادّی تعلقات سے آزاد ہوتا ہے اور خود کو زمانہ پر تنتا ہے۔ زمانہ پر قابو پاتا ہے اور اسے حسبِ منشا بدلتا ہے۔

★ غلام پرندے کی طرح صبح و شام کے جال میں اسیر ہوتا ہے اور اس کی روح پر لذّتِ پرواز حرام ہو جاتی ہے۔ وہ پرواز سے محروم رہتا ہے۔

★ اس کے برعکس تیز نفس آزاد کا سینہ طائرِ ایام کے لیے قفس بن جاتا ہے۔ یعنی آزاد زمانہ پر قابو پا لیتا ہے۔ غلام زمانہ کا محکوم ہوتا ہے اور آزاد حاکم۔

★ غلام کے لیے فطرت یعنی کائنات بے مصرف و بے معنی ہوتی ہے۔ اس کی جان میں کوئی واردات، کوئی ندرت نہیں ہوتی۔ وہ جدّت و ندرت کے کارنامے انجام نہیں دے سکتا۔

★ وہ سست اور کاہل ہوتا ہے لہٰذا اس کی حالت یکساں رہتی ہے اور مقدّر اور گردشِ زمانہ کے خلاف اس کے شب و روز کے نالے بھی وہی رہتے ہیں۔

★ اس کے برعکس آزاد کا کام ہر وقت نو آفرینی اور تازہ کاری ہوتا ہے۔ اس کے ساز سے ہمیشہ تازہ نغمے پیدا ہوتے رہتے ہیں۔ وہ زمانے کو بدلتا ہے۔

فطرتش زحمت کشِ تکرار نیست ؎۱ جادۂ او حلقۂ پرکار نیست

عبد را ایام زنجیر است و بس ‌‌ بر لبِ او حرفِ تقدیر است و بس

ہمّتِ حُر با قضا گردد مشیر ‌‌ حادثات از دستِ او صورت پذیر

رفتہ و آیندہ در موجودِ او ‌‌ دیرہا آسودہ اندر زودِ او

آمد از صوت و صدا پاک این سخن ‌‌ در نمی آید بہ ادراک این سخن

گفتم و حرفم ز معنی شرمسار ؎۲ شکوۂ معنی کہ با حرفم چہ کار

زندہ معنی چوں بہ حرف آمد بمرد ‌‌ از نفس ہائے تو نارِ او فسرد

نکتۂ غیب و حضور اندر دل است ‌‌ رمزِ ایام و مرور اندر دل است

نغمۂ خاموش دارد سازِ وقت

غوطہ در دل زن کہ بینی رازِ وقت

؎۱ ز شرر ستارہ جویم ز ستارہ آفتابے ‌‌ سر منزلے ندارم کہ بمیرم از قرارے

؎۲ نقش فریادی ہے کس کی شوخیٔ تحریر کا ‌‌ کاغذی ہے پیرہن ہر پیکرِ تصویر کا

★ اس کی فطرت تکرار کی زحمت گوارا نہیں کرتی ۔ اس کا راستہ پرکار کے دائرہ کی طرح نہیں جس پر بار بار چلنا پڑے ۔ وہ ہر روز نیا کارنامہ انجام دیتا ہے ۔[1]

★ غلام کے لیے ایام زنجیر بن جاتے ہیں اور اس کے لبوں پر ہمیشہ تقدیر کا شکوہ ہوتا ہے ۔

★ اس کے برعکس آزاد کی ہمت قضا و قدر کی مشیر ہوتی ہے اور اس کے ہاتھوں نت نئے حادثے اور انقلاب رونما ہوتے ہیں ۔

★ ماضی اور مستقبل اس کے حال میں موجود ہوتے ہیں اور اس کی عجلت میں 'دیر' آسودہ یا خوابیدہ ہوتا ہے، یعنی اس کے امروز میں فردا پوشیدہ ہوتا ہے ۔

★ میری یہ بات کہ ماضی' حال اور مستقبل ایک جگہ موجود ہوتے ہیں ، فہم و ادراک میں نہیں آسکتی ۔ یہ وہ بات ہے جو گویا صوت و صدا سے بلند ہے ۔

★ میں نے یہ بات تو کہہ دی ۔ لیکن میرے حرف معنی سے شرمسار ہو گئے ۔ یعنی حقیقت بیان کرنے سے قاصر ہے ۔ لہٰذا معنی کو یہ شکایت ہے کہ مجھے حرفوں سے کیا سروکار!

★ زندہ معنی جب الفاظ یا حرف کے جامے میں آیا تو بے جان ہو گیا ۔ تیرے سرد انفاس نے اس آگ کو بجھا دیا ۔

★ غیب و حضور کا راز دِل میں نہاں ہوتا ہے ۔ اِسی طرح زمانے کی حرکت و رفتار کا بھید دل میں پوشیدہ ہوتا ہے ۔

★ وقت کے ساز میں ایک خاموش نغمہ ہے جو حواس کی گرفت سے باہر ہے ، اگر وقت کا راز جاننا چاہتا ہے تو دِل میں غوطہ لگا ۔

---

[1] اس کے شب و روز یکساں حالت میں نہیں گزرتے ۔
ع پوشیدہ قرار میں اجل ہے

یادِ ایّامے کہ سیفِ روزگار | باتواناد ستیٔ مابود یار
تخمِ دیں درکشتِ دلہا کاشتیم | پردہ از رخسارِ حق برداشتیم
ناخنِ ما عقدۂ دنیا کشاد | بختِ ایں خاک از سجودِ ما کشاد
از خمِ حق بادۂ گلگوں زدیم | بر کہن میخانہا شبخوں زدیم
اے مئے دیرینہ در مینائے تو | شیشہ آب از گرمیٔ صہبائے تو
از غرور و نخوت و کبر و منی | طعنہ بر ناداریٔ ما میزنی
جامِ ما ہم زیبِ محفل بودہ است | سینۂ ما صاحبِ دل بودہ است
عصرِ نو از جلوہا آراستہ | از غبارِ پائے ما برخاستہ
کشتِ حق سیراب گشت از خونِ ما | حق پرستانِ جہاں ممنونِ ما

★ یادش بخیر! وہ بھی ایک زمانہ تھا جب زمانہ کی شمشیر ہماری قوت بازو (توانا دستی) کی یار و مددگار تھی۔

★ اس وقت ہم نے دلوں کے کھیت میں تخم دین بویا تھا اور رخسارِ حق سے پردہ ہٹایا تھا اور حق کو دنیا پر آشکار کیا تھا۔

★ ہمارے ناخنِ تدبیر نے دنیا کے عقدے کھولے تھے، اس کی مشکلات کو حل کیا تھا، اور ہمارے سجدوں سے اس خاک کا مقدر چمک اٹھا تھا۔

★ ہم نے حق کے میخانہ سے شراب رنگیں پی لی تھی، اور قدیم میخانوں پر شبخون مارا تھا؛ یعنی قدیم فرسودہ نظریات اور نظامِ زندگی کو بدل ڈالا تھا۔

★ اے اہلِ مغرب آج تمھارے ساغر میں وہ پرانی شراب ہے جس کی گرمی سے تمھارا شیشہ عرق عرق ہے۔

★ اور تم اپنے غرور و نخوت اور خود بینی و خود ستائی کے نشہ میں ہماری ناداری پر طعنے کس رہے ہو۔

★ یہ نہ بھولو کہ کبھی ہمارا جام بھی محفل میں گردش کرتا تھا؛ زیبِ محفل تھا؛ ہم بھی سینے میں دلِ زندہ رکھتے تھے۔

★ یہ عصرِ نو جو زنگا رنگ جلووں سے آراستہ نظر آتا ہے۔ دراصل ہمارے ہی قدموں کے غبار سے پیدا ہوا ہے۔

★ دراصل "کشتِ حق" (حق کی کھیتی) ہمارے ہی خون سے سیراب ہوئی ہے اور دنیا کے تمام حق پرست ہمارے ممنونِ احسان ہیں۔

Anjuman Taraqqi Urdu Hind

عالم از ما صاحبِ تکبیر شد | از گِلِ ما کعبہ با تعمیر شد
حرفِ اِقْرَأْ حق بما تعلیم کرد [1] | رزقِ خویش از دستِ ما تقسیم کرد
گرچہ رفت از دستِ ما تاج و نگیں | ما گدایاں را بچشمِ کم مبیں
در نگاہِ تو زیاں کاریم ما | کہنہ پنداریم ما، خواریم ما
اعتبار از لَا اِلٰہ داریم ما | ہر دو عالم را نگہ داریم ما
از غمِ امروز و فردا رستہ ایم | با کسے عہدِ محبّت بستہ ایم
در دلِ حق سِرِّ مکنونیم ما | وارثِ موسیٰؑ و ہارونیمؑ ما
مہر و مہ روشن ز تابِ ما ہنوز | برقہا دارد سحابِ ما ہنوز

ذاتِ ما آئینۂ ذاتِ حق است
ہستیٔ مسلم ز آیاتِ حق است

---

[1] سورۃ العلق کی پہلی آیت اور سب سے پہلی وحی اس طرح شروع ہوتی ہے۔
اِقْرَاْ بِاسْمِ رَبِّكَ الَّذِیْ خَلَقَ ۝ اے محمدؐ اپنے پروردگار کا نام لے کر پڑھو جس نے عالم کو پیدا کیا۔

★ دنیا کو ہم نے تکبیر سکھائی، وحدانیت کا سبق پڑھایا اور ہماری مٹی سے کعبے تعمیر ہوئے۔ عبادت گاہیں تعمیر ہوئیں جہاں خدائے واحد کی پرستش ہوتی ہے۔

★ حق تعالیٰ نے ہمیں ہی حرفِ اِقْرَاْ کی تعلیم دی تھی اور اپنا رزق ہمارے ہاتھوں تقسیم کروایا تھا۔

★ آج اگرچہ ہمارے ہاتھوں سے تاج ونگیں چھن چکے ہیں، بایں ہمہ ہم فقیروں کو چشمِ حقارت سے نہ دیکھو۔

★ آج تمھاری نگاہوں میں ہم زیاں کار، قدامت پرست اور ذلیل وخوار ہیں۔

★ بایں ہمہ توحید کے پرستار ہیں۔ لَا اِلٰہ کا اعتبار ووقار ہم سے ہے اور ہم دونوں عالم پر نظر رکھتے ہیں۔

★ ہم امروز و فردا کے غم (فکر) سے بے نیاز ہیں، کیونکہ ہم نے کسی ایک سے پیمانِ وفا باندھ رکھا ہے اور وہ پاک شخصیت رسولِ اکرمؐ کی ہے۔

★ ہم دلِ یزداں کا پوشیدہ راز ہیں۔ ہم حضرتِ موسیٰ اور حضرتِ ہارون کے وارث ہیں۔ [1]

★ آج بھی چاند اور سورج ہماری تپش سے روشن ہیں۔ ہمارے بادل میں آج بھی بجلیاں پوشیدہ ہیں۔

★ ہماری ذات، ذاتِ حق کا آئینہ ہے۔ مسلم کی ہستی کا شمار خدا کی آیات (نشانیوں) میں ہوتا ہے۔

---

[1] سورہ طٰہٰ (آیات ۲۵ سے ۳۶ اور ۹۰ سے ۹۲) قَالَ رَبِّ اشْرَحْ لِیْ صَدْرِیْ ...... الخ۔ کہا، میرے پروردگار اس کام کے لیے میرا سینہ کھول دے اور میرا کام آسان کردے اور میری زبان کی گرہ کھول دے تاکہ وہ میری بات سمجھ سکیں۔ وَاجْعَلْ لِّیْ وَزِیْرًا مِّنْ اَهْلِیْ o هٰرُوْنَ اَخِی اور میرے گھر والوں میں سے ☆☆

دُعا

اے چو جاں اندر وجودِ عالمی | جانِ ما باشی و از ما می رمی
نغمہ از فیضِ تو در عودِ حیات | موت در راہِ تو محسودِ حیات
باز تسکینِ دلِ ناشاد شو | باز اندر سینہ ہا آباد شو
باز از ما خواہ ننگ و نام را | پختہ ترکن عاشقانِ خام را
از مقدّر شکوہ ہا داریم ما | نرخِ تو بالا و ناداریم ما
از تہی دستاں رُخِ زیبا میوش | عشقِ سلمانؓ و بلالؓ ارزاں فروش
چشمِ بے خواب و دلِ بیتاب دہ | باز مارا فطرتِ سیماب دہ

☆☆ ایک کو میرا وزیر یعنی مددگار مقرّر فرما یعنی میرے بھائی ہارون کو ۔ اس سے میری قوت کو مضبوط کر اور اسے میرے کام میں شریک کر تا کہ ہم تیری بہت تسبیح کریں اور کثرت سے یاد کریں ، تو ہم کو ہر حال میں دیکھ رہا ہے ۔ فرمایا : موسیٰ تمھاری دُعا قبول کی گئی ۔

دُعا

★ اے خدائے پاک تو دنیا کے وجود کے لیے جان کی مانند ہے ۔ تو ہماری جان ہوتے ہوئے بھی ہم سے گریزاں ہے ؛ رگِ جان سے قریب ہو کر بھی دور ہے ۔

★ تیرے فیضِ کرم سے رازِ حیات کے نغمے نکلتے ہیں ۔ تیری راہ میں مرنا حیات کے لیے باعثِ رشک ہے ۔ تیری راہ میں مرنے والوں پر زندگی رشک کرتی ہے ۔

★ اے خدا ہمارے ناشاد دلوں کے لیے پھر سے تسکین کا سبب بن جا اور ہمارے ویران سینوں میں آباد ہو جا ۔

★ ہم سے ازسرِ نو ملت کی نیک نامی کے لیے قربانیوں کا تقاضا کر اور ہم جیسے عاشقانِ خام کو پختگی اور پختہ کاری عطا کر ۔

★ ہمیں اپنے مقدر سے شکایت ہے کیونکہ تیرا نرخ بہت اونچا ہے اور ہم اتنے ہی زیادہ مفلس و نادار ہیں ۔

★ لہٰذا ہم ناداروں سے اپنا دلکش چہرہ نہ چھپا اور حضرت سلمان رضؓ اور حضرت بلال رضؓ کے عشق کو جو بہت گراں اور اونچا تھا ، عام اور ارزاں کر دے ۔

★ ہمیں بے خواب آنکھیں اور بے قرار دل عطا کر اور ہمیں پھر سے سیمابی فطرت عطا کر ۔ تاکہ تیرے عشق میں پارے (سیماب) کی طرح بیقرار رہیں ۔

آیتے بنماز آیاتِ مبیں[۱]   تا شود اعناقِ اعدا خاضعیں
کوہِ آتش خیز کن ایں کاہ را   ز آتشِ ما سوز غیر اللہ را
رشتۂ وحدت چو قوم از دست داد[۲]   صد گرہ بر روئے کارِ ما فتاد
ما پریشاں در جہاں چوں اختریم   ہمدم و بیگانہ از یک دیگریم
باز ایں اوراق را شیرازہ کن   باز آئینِ محبت تازہ کن
باز ما را بر ہماں خدمت گذار   کارِ خود با عاشقانِ خود سپار
رہرواں را منزلِ تسلیم بخش   قوتِ ایمانِ ابراہیم بخش

عشق را از شغلِ لا آگاہ کن
آشنائے رمزِ الا اللہ کن

---

[۱] سورۃ الشعراء (آیت ۴) اِنْ نَّشَاْ نُنَزِّلْ عَلَيْهِمْ مِّنَ السَّمَآءِ اٰيَةً فَظَلَّتْ اَعْنَاقُهُمْ لَهَا خٰضِعِيْنَ ○ اگر ہم چاہیں تو ان پر آسمان سے نشانی اُتار دیں پھر ان کی گردنیں اس کے آگے جھک جائیں۔

(طٰسٓمّٓ ۔ یہ کتاب روشن کی آیتیں ہیں ۔ اے پیغمبر شاید تم اس رنج سے کہ ☆☆"

★ ہمیں اپنی کھلی نشانیوں میں سے کوئی ایسی نشانی بتا جس کے نتیجے میں دشمنوں کی گردنیں شرم سے جھک جائیں۔

★ اس تنکے کو کوہِ آتش فشاں بنا دے اور پھر اس کی آگ سے غیراللہ کے خس وخاشاک کو پھونک دے۔

★ جب سے ہماری ملت نے وحدت کے رشتے کو اپنے ہاتھ سے کھودیا، ہمارے کام میں سینکڑوں گرہیں پڑ گیئں۔ (ہمارے معاملات میں بے شمار الجھنیں پیدا ہوگیئں)

★ ہم اس دنیا میں ستاروں کی طرح پریشان اور سرگرداں ہیں اور ہمدم ہو کر ایک دوسرے سے بیگانہ ہیں۔

★ اے پروردگار! ملت کے ان پریشان اوراق کی ازسرِنو شیرازہ بندی کر اور پھر سے آئینِ محبت کو تازہ کر، تاکہ ان میں باہمی اتحاد اور اخوت کا جذبہ پیدا ہو۔

★ ہمیں پھر سے اسی خدمت پر مامور کر دے اور اپنا کام اپنے عشاق کے سپرد کر دے۔

★ ہم رہروانِ عشق کو تسلیم ورضا کی منزل عطا کر اور حضرت ابراہیمؑ کی قوت عطا کر۔

★ عشق کو پہلے 'لا' کے شغل سے باخبر کر
اور پھر الا اللہ کے راز سے آشنا کر دے۔

☆☆ یہ لوگ ایمان نہیں لاتے اپنے تیئں ہلاک کر دو گے، اگر ہم چاہیں تو ان پر آسمان سے نشانی اُتار دیں پھر ان کی گردنیں اس کے آگے جھک جائیں اور ان کے پاس خدائے رحمٰن کی طرف سے کوئی نئی نصیحت نہیں آتی مگر اس سے منہ پھیر لیتے ہیں)۔ الخ .....

۲ے سورہ مومنین (آیت ۵۲) وَ اِنَّ هٰذِهٖۤ اُمَّتُكُمْ اُمَّةً وَّاحِدَةً ☆☆☆

منکہ بہرِ دیگراں سوزم چو شمع　　　بزمِ خود را گریہ آموزم چو شمع

یارب آں اشکے کہ باشد دلفروز　　　بیقرار و مضطر و آرام سوز

کارمش در باغ و روید آتشے　　　از قبائے لالہ شوید آتشے

دل بدوش و دیدہ بر فردا ستم　　　در میانِ انجمن تنہا ستم

"ہر کسے از ظنِّ خود شد یارِ من　　　از درونِ من نجست اسرارِ من"

در جہان یارب ندیمِ من کجاست　　　نخلِ سینایم کلیمِ من کجاست

ظالمم بر خود ستم ہا کردہ ام　　　شعلۂ را در بغل پروردہ ام

شعلۂ غارت گرِ سامانِ ہوش　　　آتشے افگندہ در دامانِ ہوش

عقل را دیوانگی آموختہ　　　علم را سامانِ ہستی سوختہ

☆☆☆ وَّ اَنَا رَبُّکُمْ فَاتَّقُوْنَ ۝ یہ تمہاری جماعت حقیقت میں ایک ہی جماعت ہے اور میں تمہارا پروردگار ہوں تو مجھ سے ڈرتے رہو

سورہ آل عمران (آیت ۱۰۳) وَاعْتَصِمُوْا بِحَبْلِ اللّٰہِ جَمِیْعًا وَّلَا تَفَرَّقُوْا" ..... الخ = اور سب مِل کر خدا کی (ہدایت کی) رسّی کو مضبوط پکڑے رہنا اور متفرق نہ ہونا۔

★ میں اوروں کے لیے شمع کی طرح جل رہا ہوں اور اشک بہا رہا ہوں تاکہ شمع کی طرح اپنی بزم کو اشکباری سکھا سکوں۔

★ یارب! مجھے وہ اشک عطا کر جو دل افروز ہوں، دلوں کو روشن کرنے والے ہوں، جو بیقرار اور بے چین ہوں، اور آرام سے بیگانہ کرنے والے ہوں۔

★ میں ان اشکوں کو باغ میں بودوں تاکہ ان سے وہ آگ پیدا ہو جو لالہ کی قبا کو دہکا دے۔

★ میرا دل ماضی سے وابستہ ہے اور میری آنکھ مستقبل پر لگی ہوئی ہے اور میں خود کو اس انجمن میں تنہا محسوس کرتا ہوں۔ ایک بھی میرا ہمراز و ہم خیال نظر نہیں آتا۔

★ ہر شخص اپنے اپنے خیال کے مطابق میرا دوست بنا۔ لیکن کسی نے بھی میرے دل میں جھانکنے اور میرے اسرار کو کما حقہ، جاننے کی کوشش نہیں کی۔

★ اے خدا! اس دنیا میں میرا اصل ساتھی اور محرم راز کہاں ہے؟ میں وادیٔ سینا کا روشن درخت ہوں، مگر میرا کلیم کہیں نظر نہیں آتا۔ [1]

★ میں بڑا ظالم ہوں اور میں نے اپنی ذات پر بڑا ظلم کیا ہے۔ کیونکہ میں نے اپنے سینے میں ایک شعلے کی پرورش کی ہے۔

★ یہ ایسا شعلہ ہے جو عقل و ہوش کا دشمن ہے۔ اس نے دامانِ ہوش میں آگ لگا رکھی ہے۔

★ جس نے عقل کو دیوانگی سکھلائی ہے اور علم کی متاعِ ہستی کو پھونک ڈالا ہے۔

---

[1] برق ایمن مرے سینے میں پڑی روتی ہے
دیکھنے والی ہے جو آنکھ کہاں سوتی ہے!

آفتاب از سوزِ او گردوں مقام	برقہا اندر طوافِ او مدام
ہمچو شبنم دیدۂ گریاں شدم	تا امینِ آتشِ پنہاں شدم
شمع را سوزِ عیاں آموختم	خود نہاں از چشمِ عالم سوختم
شعلہ ہا آخر ز ہر مویم دمید	از رگِ اندیشہ ام آتش چکید
عندلیبم از شرر ہا دانہ چید	نغمۂ آتش مزاجے آفرید
سینۂ عصرِ من از دل خالی است	می تپد مجنوں کہ محمل خالی است
شمع را تنہا تپیدن سہل نیست	آہ یک پروانۂ من اہل نیست
انتظارِ غمگسارے تا کجا	جستجوئے رازدارے تا کجا
اے ز رویت ماہ و انجم مستنیر	آتشِ خود را ز جانم باز گیر

★ اسی شعلے کے سوز سے آفتاب کو گردوں کا مقام حاصل ہوا ہے، اور بجلیاں سدا اس کا طواف کرتی رہتی ہیں۔

★ میں نے شبنم کی طرح اشکباریاں کیں (سراپا دیدۂ اشکبار بنا رہا) جس کے نتیجے میں میرے سینہ کو یہ پوشیدہ آگ بطور امانت سپرد کی گئی۔

★ میں نے شمع کو آشکارا طور پر جلنا سکھایا اور میں خود بھی چشم عالم سے بچ کر پوشیدہ طور پر جلتا رہا۔

★ یہاں تک کہ میرے ہر تنِ مُو سے شرارے (شعلے) نکلنے لگے اور میری فکر کی رگوں سے آگ ٹپکنے لگی۔

★ میرے عندلیب نے دانوں کی بجائے شرارے چگے ہیں اور پھر آتشیں نغمے پیدا کیے ہیں۔

★ دورِ حاضر کے سینے میں دِل نہیں ہے، (وہ دِل سے محروم ہے) اور مجنوں (شاعر) اس غم میں تڑپ رہا ہے کہ محمل لیلیٰ سے خالی ہے۔

★ شمع کا تنہا جلنا آسان نہیں۔ آہ میں شمع کی طرح تنہا جل رہا ہوں۔ آہ ایک پروانہ بھی میرے سوز کا اہل نہیں ہے۔

★ آخر کب تک میں یونہی اپنے غمگسار کا انتظار کرتا رہوں گا اور کب تک محرمِ راز کی تلاش میں سرگرداں رہوں گا۔

★ اے کہ تیرے روئے زیبا سے ماہ و انجم روشن ہیں۔ میری تجھ سے التجا ہے کہ میرے دل و جان سے اپنی آگ واپس لے لے۔

این امانت باز گیر از سینه ام — خارِ جوہر برکش از آئینه ام

یا مرا یک ہمدمِ دیرینه ده — عشقِ عالم سوز را آئینه ده

موج در بحر است ہم پہلوئے موج — ہست با ہمدم تپیدن خوئے موج

بر فلک کوکب ندیمِ کوکب است — ماہِ تابان سر بزانوئے شب است

روز پہلوئے شبِ یلدا زند — خویش را امروز بر فردا زند

ہستئ جوئے بجوئے گم شود — موجۂ بادے بہ بوئے گم شود

ہست در ہر گوشۂ ویرانه رقص — میکند دیوانه با دیوانه رقص

گرچه تو در ذاتِ خود یکتاستی — عالمے از بہرِ خویش آراستی

من مثالِ لالۂ صحراستم — در میانِ محفلے تنہاستم

★ ہاں ہاں میرے سینہ سے اپنی امانت نکال لے ۔میرے آئینہ سے یہ جوہر نکال لے جو میرے حلق میں کانٹے بن چکے ہیں ۔

★ یا پھر مجھے کوئی ہمدم و ہمراز عطا کر (کوئی پرانا ساتھی عطا کر) میرے سینہ میں جو عشق کی آگ ہے (جو عالم کو جلاتی ہے) اس کے لیے آئینہ عطا فرما ۔

★ دنیا میں ہر شے کو ہمدم حاصل ہے ۔سمندر میں ایک موج دوسری موج کے ساتھ لہراتی ہے ۔ باہم مچلنا اور لہرانا موجوں کی فطرت ہے ۔

★ آسمان پر ستارے ایک دوسرے کے ساتھی اور ہمراہی ہیں اور ماہِ تاباں بھی شب کے زانو پر رکھے ہوئے ہیں

★ دن بھی شب کے پہلو میں جا بیٹھتا ہے اور امروز بھی فردا سے بغلگیر ہوتا ہے ۔

★ ایک ندی دوسری ندی سے جا ملتی ہے (اور اپنی ہستی کو اس کی ہستی میں گم کردیتی ہے)۔ ہوا کی موج بھی خوشبو میں ڈوب جاتی ہے ۔

★ الغرض ہر طرف بلکہ ویران گوشوں میں بھی رقص جاری ہے ، حتیٰ کہ دیوانہ دیوانے کے ساتھ رقص کرتا ہے ۔

★ اے خدا اگرچہ تو اپنی ذات میں یکتا ہے ، لیکن تو نے بھی اپنے لیے کائنات کو آراستہ کیا ہے ۔

★ لیکن ایک میں ہوں کہ لالۂ صحرا کے مانند اکیلا ہوں اور بھری بزم میں تنہا ہوں ۔

خواہم از لطفِ تو یارے ہمدمے　　　از رموزِ فطرتِ من محرمے

ہمدمے دیوانۂ فرزانۂ　　　از خیالِ این و آں بیگانۂ

تا بجانِ او سپارم ہوئے خویش　　　باز بینم در دل او روئے خویش

سازم از مشتِ گلِ خود پیکرش

ہم صنم او را شوم ہم آزرش

★ میں تیری عنایت کے طفیل ایک ہمدم و ہمراز چاہتا ہوں جو میری فطرت کے بھیدوں کو سمجھ سکے اور میرے اسرار کا محرم بن سکے۔

★ ایسا ہمدم جو بیک وقت دیوانہ بھی ہو اور فرزانہ بھی اور جو بجز تیرے، ہر شے سے، ہر این و آن سے بے نیاز ہو۔

★ تاکہ میں اپنی دیوانگی، اپنا سوزِ عشق اس کی روح کے حوالے کر سکوں، (اسے اپنا محرمِ اسرار بنا سکوں) اور پھر اس کے آئینۂ دل میں اپنا چہرہ دیکھ سکوں۔

★ میں اپنی مشتِ خاک سے اس کا پیکر بناؤں (اسے اپنے جیسا بناؤں) اور اس کے لیے بُت بھی بنوں اور آزر (پرستار) بھی۔

●●